URDU NOVELS
MAG

مکمل ناول

میراث

آسیہ رئیس خان

''اس سے پہلے ایسا قصے کہانیوں میں سنا تھا اور لگتا تھا یہ سب کہانیوں اور قصوں میں ہی ہوتا ہوگا لیکن یہ تو آنکھوں دیکھی ہے، اب بھی دیکھ رہے ہیں، آنکھوں کے سامنے ہی اتنے برسوں بعد بھی اب تک یہ کہانی جاری ہے جو نئی سنائی بات ہے نہ کوئی اساطیری حکایت مگر اس وقت ہمیں پتا ہی نہ تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے، ہم کس داستان کے گواہ بن رہے ہیں۔

ایسی داستان جو مثال بن جائے گی، خاموش جذبوں کی، قربانیوں کی، ان کہے وعدوں کی، وفا کی، بڑوں کے بے رحم فیصلوں اور بے کار ضد کی......''

فوزیہ آنٹی ذرا دیر سانس لینے کو رکی تھیں اور اس نے بھی بے چین ہو کر پہلو بدلا۔ اس وقت اسے اندازہ ہوتا کہ گیٹ کھول کر احسن اندر آیا ہے تو وہ کسی بہانے فوزیہ آنٹی کی داستان کو کی رکوا دیتی۔

''ہم سب سال میں دو بار چھٹیوں میں ایک جگہ یعنی بڑی حویلی میں اکٹھا ہوتے تھے، گرمیوں میں اور پھر دیوالی کی چھٹی میں۔ بڑے ابا کام کی وجہ سے بھی آتے تھے بھی نہیں لیکن تصدق بھائی جان کو وہاں ہمیشہ دیکھا۔

اب جتنا بھی سوچوں تو یاد آتا ہے کہ اس سال بات کچھ اور ہی تھی، ہمیشہ سے کچھ الگ۔ رقو خالہ بہت خوب صورت اور شوخ چنچل سی تھیں، تصدق بھائی جان بھی خوب ڈیشنگ تھے، ایمان سے ان دونوں کی جوڑی بہت جچتی تھی۔ رقو خالہ کا چھپ یہ جانا، پھر ان کے پیچھے تصدق بھائی جان کا ہم سب بچوں کو لے کر وہاں پہنچنا، ہمارے ساتھ کھیلتے ہوئے ان کی مسکراہٹوں کے تبادلے اور اشارے، وہ باتیں ہم سے کرتے تھے اور سن کر رقو خالہ شرمائی تھیں۔ ''میں نے پیار کیا'' کے گانوں کی بڑی دھوم تھی۔ تصدق بھائی جان بس وہ ہی سنتے رہتے، سارا وقت حویلی میں وہی گانے گونجتے رہتے، کبھی وہ گنگناتے بھی تھے جب رقو خالہ کہیں قریب ہی ہوتیں تو......''

وہ ہنسنے لگیں تو ان کے ساتھ وہ سب بھی گدگدانے والے کسی خیال کے تحت کھلکھلا اٹھیں۔ جب کہ اس نے گہری سانس لے کر شکر ادا کیا کہ نعما اس وقت سو رہی تھی۔

''میں تب سب سے چھوٹی تھی، ان باتوں کی اتنی کیا، کچھ بھی سمجھ نہ تھی پھر بھی ... یاد ہے دونوں کے چہروں پر اور آنکھوں میں بڑا پیارا شرمگیں سا تاثر ہوتا تھا۔ رقو خالہ کا مہمانوں کے لیے بڑے کمرے میں حلوہ یا چائے بھیجتے وقت ہمیں تاکید کرنا کہ یہ کپ اور یہ پلیٹ تصدق بھائی جان کو ہی دینا، صحن میں تصدق بھائی جان کا ایسی جگہ بیٹھنا جہاں سے اندر کے جس کمرے میں وہ ہوں، انہیں نظر آتی رہیں۔

ان کے درمیان خاموشی سے پروان چڑھتا وہ کون سا جذبہ تھا یہ تو بہت بعد میں سمجھ آیا مگر وہ دونوں، ہم سب بچوں کے فیورٹ تھے بلکہ ہم بچے ہی اکثر ان کے درمیان رابطے کی کڑی، وجہ اور بہانا بنتے تھے، ہم ان کے ساتھ ہوتے تو کسی کو شک بھی نہیں ہوتا تھا۔ مجھے اچھے سے یاد ہے، پہلے بھی تم سب کو بتایا تھا جب کھیت میں جاتے ہوئے......''

پہلی دفعہ نہیں تھا مگر سب یوں اشتیاق سے ہمہ تن گوش تھیں جیسے پہلی بار سن رہی ہوں۔ جب بھی خاندان میں کسی وجہ سے سب اکٹھا ہوتے، یہ ان سب کا پسندیدہ موضوع ہوتا۔ خاص کر جوان نسل کو اپنے تایا اور ماموں کے عشق کی ادھوری داستان میں بہت دلچسپی تھی۔ اس وقت تو فوزیہ آنٹی کے گرد صرف لڑکیاں تھیں مگر اکثر موقعوں پر ان کے ساتھ لڑکے بھی انہیں گھیر کر بیٹھے ہوتے تھے۔ نعماء اور احسن خود ہی ایسے موقعوں پر ان کے لیے میدان کھلا چھوڑ کر ادھر ادھر ہو جاتے تھے۔

ان سب کے دل میں رقیہ اور تصدق کے لیے جو عقیدت تھی اس کا سہرا فوزیہ آنٹی جیسی خالاؤں، پھوپھوؤں اور کزنز کے سر تھا، جنہوں نے تصدق اور رقیہ کی کہانی اس دل پذیر اور دل سوز انداز میں انہیں سنائی تھی کہ وہ سب گرویدہ ہو گئے تھے۔ خاص طور پر فوزیہ آنٹی جو رشتے میں ان سب کی خالہ اور پھوپھو لگتی

Watermarkly
Scanned with CamScanner

URDU NOVELS MAG

تھیں۔ پیشے سے استاد تھیں۔

وہ ساری خالاؤں اور، پھوپھیوں سے چھوٹی تھیں۔ اخبار میں مضامین اور افسانے لکھتی تھیں، کبھی کبھار ریڈیو پر اردو ادب سے متعلق نشریات میں بھی حصہ لیتی تھیں، اس لیے سناتے ہوئے ان کا انداز بہت خوب صورت اور دل کش ہوتا تھا۔ آواز کا اتار چڑھاؤ اور ان کا لہجہ اس واقعے کو مزید دل پذیر بنا دیتا تھا۔ انہیں یوں لگتا، وہ بھی گاؤں کے اس گھر، صحن اور چھت پر موجود ہیں جہاں یہ داستان رقم ہو رہی تھی۔

"مگر معصوم پیار کو جانے کس کی نظر لگی کہ یہ پریم کہانی اور طربیہ داستان المیے میں بدل گئی۔ تصدق بھائی جان نے سب سے سمجھ دار بچے کو پکڑ کر چٹھی تھمائی تھی اور اس بے وقوف نے جا کر رقو خالہ کے بھائی کو دے دی۔ بات کھلی اور پھر دونوں کے ابا ایسی ضد پر اڑے کہ الگ الگ جگہ بیاہ کر ہی دم لیا۔ دیکھا جاتا تو ان کی شادی میں کوئی بڑی رکاوٹ نہیں تھی لیکن بس، دونوں بزرگوں کو اولاد کی من مانی اور مرضی کرنا برداشت نہیں ہوا تھا پھر وہ چٹھی کا ملنا سب سے بڑا ستم تھا۔ اس وجہ سے معاملہ بہت اچھلا ورنہ شاید ایسا شدید ردعمل نہ ہوتا کہ فوراً ہی ایرے غیرے سے شادی کر کے دور بھیج دیا جاتا۔

ان کی نظر میں بچوں کی زندگی کے فیصلے کرنے کا اختیار ان کا تھا، بچوں کا اپنی مرضی سے عشق و محبت کے کھیل رچانا خاندانی لوگوں کا وتیرہ نہ تھا۔

تصدق بھائی جان نے بہت ضد کی، کھانا پینا چھوڑ دیا، ان کی امی کا دل تو پگھل بھی گیا تھا مگر بڑے ابا نہیں مانے۔ ادھر تصدق بھائی کی ضد نے بھی رقو خالہ کو سب جگہ مشہور کر دیا۔ چھوٹے نانا کے نزدیک یہ بہت بڑی بے غیرتی اور ذلت کا مقام تھا کہ لڑکی ذات کا نام یوں سب جگہ کسی کے ساتھ لیا جائے، چٹھیوں کے تبادلے ہوں، یہ ان کے بھائیوں کی غیرت پر بھی تازیانہ تھا۔ اگر ان کے بھائی نے واویلا نہ مچایا ہوتا، تصدق بھائی جان کی جان لینے پر آمادہ نہ ہوتا، چپ چاپ گھر کی چار دیواری میں رقو خالہ سے باز پرس، ڈانٹ ڈپٹ کر لیتا تو یہ بات اتنی نہ پھیلتی۔ اس بات کو تماشا در اصل انہوں نے ہی بنایا تھا۔

رقو خالہ کا سب سے ملنا جلنا بند کر دیا گیا تھا۔ فون پر چوبیس گھنٹے ایک پہرے دار بٹھا دیا گیا، وہ کمرے میں قید ایک مجرم ہو گئی تھیں۔

ان کے ابا کے غصے سے سب ڈرتے تھے، کسی نے چوں تک کرنے کی ہمت نہیں دکھائی، یہ بھی نہ کہا کہ خاندان کے بچے ہیں کیوں نا دونوں کی شادی کر دی جائے، اس میں برائی ہی کیا تھی مگر کسی نے منہ نہیں کھولا۔

اور رقو خالہ کے گھر والوں نے پندرہ دن میں رشتہ دیکھ کر ان کا نکاح کر کے انہیں دور بھیج دیا اور پھر کبھی پلٹ کر نہ دیکھا۔ ان کے بھائیوں نے بھی ایسا ہی سلوک کیا، باپ کے بعد تو بھول ہی گئے انہیں۔ ان کی امی زندہ تھیں تو وہ بیٹی کی خبر گیری کرتی تھیں اور مدد بھی۔ ان کی شادی کی خبر کسی ایٹم بم سے کم نہ تھی۔

تصدق بھائی جان بڑے ابا کے سامنے کھڑے رہنے یا بولنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے مگر ان کا حال چھپا نہیں تھا۔ ان کو اسپتال ایڈمٹ کرنا پڑا تھا مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ کسی اور کی ہو چکی تھیں۔

یہاں سے رشتے داری اور ملنا جلنا بھی ختم ہو گیا۔ پھر بڑے ابا کے یہاں سے کوئی حویلی نہیں آیا۔ کسی شادی بیاہ، ولادت، فوتگی میں بھی دونوں خاندانوں میں سے کسی نے پہل نہیں کی مانو جیسے دشمنی کی بنیاد پڑی تھی اس بات سے مگر آج بھی دیکھ لو، ان سب کے باوجود اب بھی ان دونوں کی خاموش محبت جوں کی توں ہے۔

ان کی آنکھوں کی اداسی، مزاج کی خاموشی اور دنیا کی رنگینیوں سے کنارہ کشی اس بات کا ثبوت ہے کہ دنیا نے انہیں الگ کر دیا مگر ان کے دل الگ نہ ہو سکے، وہ ایک دوسرے سے دور جا کر خوش نہ رہ سکے۔ والدین کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کیا، مجبور ہو کے شادی کی دنیاداریاں نبھائیں مگر محبت نہیں بھولے، وہ اب تک اپنی پہلی اور آخری محبت نبھا رہے ہیں، ان کی جدائی نے ان کی محبت کو امر کر دیا، عظیم بنا دیا۔ گھر والوں نے انہیں ملنے نہیں دیا مگر اس کے باوجود کوئی ان کی محبت کو بھول نہیں پایا۔

وہ دوسروں کی طرح ایک دوسرے کو بھول کر اپنی زندگی میں مست اور مگن نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے خود پر خوشیاں حرام کر لیں، پھر ان کا دنیا میں دل نہ لگا۔ میری ایک دور کی کزن کے رشتے دار رہتے ہیں رقو خالہ کے گاؤں میں وہ بتاتے ہیں، غریب گھرانہ ہے ان کا، وہ بہت بدل گئی ہیں، خاموش اور اداس رہتی ہیں۔ اب تو سنا ہے شوہر کا بھی انتقال ہو گیا ہے، ایک بیٹی کے ساتھ ہیں۔"

"خاندان کے مطلب، دادا جان کے کسی بڑے نے کوشش نہیں کی تھی ان دونوں داداؤں کو سمجھانے اور پر امن کرنے کی؟" یہ چاچا جان کی ضویا تھی۔

"کچھ نے رسمی سا سمجھایا، چند ایک نے آگ میں مزید تیل ڈالا، ہر گزرتے دن کے ساتھ ان دونوں کے گھروں میں فاصلے اور نفرت بڑھتی ہی گئی تھی۔"

"ماموں کی زندگی تو پھر بھی اچھی رہی مگر رقو آنٹی کے لیے بہت برا لگتا ہے۔" پھوپھو کی فضا کے لہجے میں افسوس تھا۔

"ہاں، بے چاری کی زندگی میں کوئی سکھ نہیں تھا۔ جتنی وہ خوب صورت تھیں نصیب اتنے ہی برے لکھوا کے لائی تھیں، جانے کس یتیم، غریب دور پار کے بھتیجے سے بیاہ دیا تھا ان کے ابا نے اور پلٹ کر خبر بھی نہیں لی، یہ تو دیوار میں زندہ چنوائے جانے سے بھی برا تھا۔" فوزیہ آنٹی نے سرد آہ بھری۔

وہ تنہا تھی جسے ہر بار یہ کہانی نا سمجھ میں آنے والے، ناقابل بیان احساسات سے دوچار کروانی تھیں۔ وہ بھی سب کی طرح اس داستان پر دم بخود ہونا چاہتی لیکن تب ہی کوئی جذبہ اسے جھنجھوڑ کر ہوش میں لے آتا پھر وہ سننا نہیں چاہتی لیکن سنے بنا رہا بھی نہیں جاتا تھا۔

جب بھی کوئی یہ قصہ شروع کرتا وہ وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کرتی لیکن پھر جیسے بھول جاتی۔ اب بھی وہ اسی ناقابل فہم احساس میں گھری وہاں سے اٹھ کر باہر چلی آئی اور فوراً پچھتائی مگر اب پلٹنا فضول تھا۔ کھڑکی کے پاس کرسی پر ساکت بیٹھا احسن آہٹ پر چونکا اور جرابیں اتارنے لگا۔ پیروں سے نکالے گئے جوتے قریب پڑے تھے۔

"آپ کب آئے؟" جو وہ دونوں سن چکے تھے، ان باتوں کا اثر زائل کرنے کی کوشش میں اس کے منہ سے پھسلا ورنہ وہ اتنے بے تکلف نہیں تھے۔ آج اس کی بائیک نہیں تھی ورنہ وہ اس کی آواز سے ہی پہچان لیتی تھی کہ وہ آ گیا ہے۔

"ابھی۔" اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

گفتگو کے معاملے میں وہ سدا کا کفایت شعار تھا سب کے ساتھ نہیں بس اس کے ساتھ۔ جرابیں جوتوں میں ٹھونس کر اس نے جھک کر جوتے ہاتھ میں اٹھائے اور ہال کے سامنے سے گزر کر جانے کی بجائے دائیں طرف والی تنگ سی گلی میں مڑ گیا۔

وہ اس کے سفید شفاف پیروں کو نظر سے اوجھل ہونے تک دیکھتی رہی جو مٹی اور کنکروں پر پڑ رہے تھے۔

وہ اب پچھلے صحن سے باورچی خانے میں جائے گا اور وہاں سے راہداری اور پھر ہال کے سامنے والے زینے سے اپنے کمرے میں۔

یہ بڑا سا چکر محض ہال میں جمی محفل سے بچنے کے لیے تھا۔ ہال کے دروازے کے سامنے سے گزرتا تو کسی کی نظر اس پر پڑ ہی جاتی یا کیا پتا سب ہی دیکھ لیتے اور پھر سب کی اجتماعی خاموشی ان باتوں سے زیادہ اذیت ناک ہوتی تھی۔

چوں کہ یہ شادی کا گھر تھا اس لیے قریب اور شہر والوں کا دن بھر یہیں ڈیرا تھا۔ کل ہی دوسرے شہر سے منجھلی پھوپھو بھی مع خاندان آ گئی تھیں۔ ذرا دیر قبل والی باتیں ہی تھیں شاید جو اس نے اب تک دفتر سے

Watermarkly
Scanned with CamScanner

URDU NOVELS MAG

چھٹی نہیں ملی تھی۔ گھر میں رہنا بھی ایک محاذ پر ڈٹے رہنے جیسا تھا۔ پرانی باتوں اور قصوں کے تیز جھکڑ کے سامنے رکنا آسان نہیں تھا۔ شاید ای لیے وہ نوکری کے بہانے دوسرے شہر جانا چاہتا تھا مگر تائی امی نے اسے روک لیا تھا۔ وہ محکمہ ریلوے میں بطور انجینئر کام کر رہا تھا۔ اس محکمے میں دوسرے شہر منتقل ہونے کے مواقع بہت زیادہ تھے۔

اسے یقین تھا اس نے اس ملازمت کا انتخاب اسی وجہ سے کیا تھا کہ گھر سے دور ہو سکے۔ وہ جانتی تھی اب بھی وہ تو امی کی شادی تک ہی ہے پھر ٹرانسفر کے بہانے ماں نے تائی امی کو ساتھ لے کر دوسرے شہر چلے جانا تھا۔

اندر فوزیہ آنٹی کی باتیں جاری تھیں۔ وہ وہیں کھڑی رہی پھر جب یقین ہو گیا کہ اب وہ اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا ہوگا تب وہ اندر آئی اور دوبارہ ہال میں جانے کے بجائے باورچی خانے میں چلی آئی۔ جہاں نجو باجی چائے چھان رہی تھیں جو یقیناً احسن نے اوپر جاتے ہوئے مانگی ہوگی۔

"شادی کے گھر میں ایک نیا نوکر صرف چائے بنانے کے لیے رکھنا چاہیے۔"

اسے دیکھتے ہی انہوں نے اپنے انداز میں کام کی زیادتی کا شکوہ کیا۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ ہال کی محفل کے حاضرین کے لیے چائے بنا چکی تھیں۔

"آپ کہیں ناں دادی جان سے۔" اس نے ٹرے اور کپ نکالتے ہوئے کہا۔

"وہ میری دو چار تعریفیں کر کے ٹال دیتی ہیں۔" نجو باجی نے منہ بنایا۔ اسے ہنسی آ گئی۔ دوسرے کاموں کے لیے اضافی ملازمین رکھے گئے تھے مگر باورچی خانہ اب بھی نجو باجی تنہا سنبھال رہی تھیں۔

"میری مدد کر دو اور یہ چائے اوپر احسن بابا کو دے آؤ۔ ادھر ادھر زینے چڑھتے اترتے والی عمر گزر گئی اب میری۔" کہنے کو تو وہ ٹھیک رہی تھیں

ان سب کے بچپن میں وہ چاق و چوبند اور جوان تھیں، دوڑتے بھاگتے ہوئے، بیسیوں دفعہ اوپر نیچے کرتے ہوئے وہ سب کے کام نپٹاتی تھیں لیکن اب ان کی نوجوانی کے دور میں، وہ اتنی توانا نہیں رہی تھیں۔ اسے نجو باجی کی مدد سے انکار نہیں تھا مگر ذرا دیر پہلے فوزیہ آنٹی کی باتوں کے بعد احسن کے پاس چائے لے کر جانا۔ صاف تو یہ دل کا چور تھا اور وہ چھپے چھپے چاہتی تھی کہ یہ چور دونوں کے دل کا ہو جائے مگر ہر بار احسن کا ردعمل اسے خود سے شرمندہ اور اس کے لیے دکھی کر دیتا تھا۔

"لو۔" وہ اپنے خیالوں میں الجھی تھی اور نجو باجی نے کپ میں چائے نکال کر ٹرے اسے تھما دی۔

"آج پہلے ہی اوپر کے بہت چکر لگ چکے میرے۔" اسے چاروناچار ٹرے لیے اوپر جانا پڑا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہر زینے پر دل کچھ پل کو رک سا جاتا تھا۔ اس کی وجہ ذرا دیر پہلے کا آمنا سامنا تھا۔ دروازے کے باہر ٹھہر کر اس نے خود کو سنبھالا پھر ادھ کھلے دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔

احسن پلنگ کے قریب کھڑا فون میں کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ ایسی صورت حال میں ہمیشہ وہ دونوں اتنے واضح طور پر بے آرام اور مضطرب ہوتے تھے مانو وہاں کوئی چیخ چیخ کر، یہ نامناسب ہے، یہ ٹھیک نہیں، کہتے ہوئے ناگواری کا اظہار کر رہا ہو۔

"چائے۔" اس نے مقابل آ کر فاصلے سے ٹرے اس کے سامنے کی۔

"نجو باجی نے بھجوائی ہے۔" یہ وضاحتی اور اضافی چند الفاظ کمرے کی فضا کو اور بوجھل کر گئے۔

احسن نے کپ اٹھا لیا۔ وہ فوراً ٹرے لیے واپس دروازے کی سمت بڑھ گئی۔

"تہنیت!" خلاف امید پیچھے سے اس نے پکارا اور وہ خود کو روکتے روکتے پلٹی تو چہرے پر بکھری خوش گوار حیرت چھپا نہیں سکی تھی۔ احسن اگر کبھی کبھار اسے یوں نہ پکارتا تو اب تک وہ اپنا مکمل نام بھول چکی ہوتی۔

"آئندہ نجو باجی کہیں تو انکار کر دینا۔" اس کا چہرہ سپاٹ تھا اور آنکھوں میں اپنے اس رویے پر ہلکا سا تاسف بھی کہ وہ لحاظ، رعایت، مروت میں اس خاندان کا سب سے محتاط فرد تھا، ہمیشہ سب سے مسکرا کر اور نرمی سے بات کرتا تھا مگر اسے تنو کے ساتھ یہ رویہ روا رکھنا پڑتا تھا۔ وہ سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

"تو تمہیں کیا لگا تھا وہ شکریہ کہیں گے یا یہ کہ اب سے چائے تم ہی لانا۔"

اس نے لمحہ بھر کو خوش گمان ہوئے دل کو ڈپٹا۔ ویسے اسے توقع ایسی سرد مہری کی ہی ہوتی تھی لیکن ساری سمجھ داری اور حقیقت آشنائی کے بعد بھی یہ خوش گمان نہ ہو تو پھر دل کیسا!

سلجھے اور دھیمے مزاج کا اس کا یہ کزن بس اس کے ساتھ ہی یوں روکھا سا تھا۔ اس کے تایا جان یعنی تصدق حسین اور عفت کے دو ہی بچے تھے۔ احسن اور نیما جس کی شادی تھی۔ اس کے بعد اس کے والد یعنی تجمل حسین اور نازیہ اور وہ تین بہن بھائی تھے۔ ان سے بڑی عترت جو شادی شدہ تھیں، عترت سے چھوٹا اقدس، وہ سب سے آخری تھی۔ اس کے بعد چاچا تبرک حسین اور شمشاد چاچی تھیں۔ جن کی ضویا اور زاہد دو اولادیں تھیں۔

ان کے علاوہ گھر میں دادا جان اور دادی جان تھیں۔ بڑی اور چھوٹی پھوپھو بھی اسی شہر میں رہتی تھیں۔ اس کے سوا باقی کزنز کے ساتھ احسن کا رویہ بہت بے تکلف نہ سہی لیکن یوں تکلف والا بھی نہ تھا۔ سب اس سے بلا جھجک بات کر لیتے تھے، وہ بھی نرمی اور توجہ سے سب کی سنتا تھا۔ چوں کہ وہ سب سے بڑا تھا سو ضروری ہو تو مشورہ صلاح دیتا، رہنمائی کرتا تھا، ہنستا مسکراتا بھی تھا۔

بس ان دونوں میں فاصلہ سا تھا اور اسے اس کا شکوہ بھی نہیں تھا کہ کہیں گہرائی میں اس فاصلے کی وجہ اسے خوش کرتی تھی۔ پتا نہیں اسے کب احسن اچھا لگنے لگا تھا اور پھر وہ اس کے لیے سب سے اہم کیسے ہو گیا تھا۔ بچپن سے ہی اپنے ہم عمروں میں صرف

اسے ہی رقو آنٹی اور تایا جان کے ذکر پر احسن کا بے آرام ہونا محسوس ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ اسے بھی یہ قصہ الجھانے لگا اور اسی وجہ سے اس نے احسن پر زیادہ توجہ دینا شروع کی پھر آہستہ آہستہ اسے یہ عادت ہوتی گئی۔

اسے سوچنے، دیکھنے اور اس کی معمولی اور چھوٹی سی بات اور حرکت پر بھی غور کرنے کی عادت۔ اسے پڑھنے کا شوق اور عادت ہی تھی کہ اسے احسن کی بے آرامی کی وجہ بھی سمجھ آ گئی۔ اسے باپ کی جوانی کے دھواں دھار عشق کے قصے سے نفرت تھی۔ اسے باپ کی محبت بلکہ ایسی ہر محبت سے چڑ تھی اور اسی ادراک نے تایا جان کا قصہ اس کے لیے بھی بدل دیا۔

وہ جو پہلے سب کی طرح شوق، اشتیاق اور عقیدت سے سنا کرتی تھی، اب الجھنے لگی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اسے یہ سن کر کیا محسوس کرنا چاہیے۔ احسن بچپن اور لڑکپن میں بھی ٹی وی پر فلم یا سیریل کے ایسے مناظر پر اٹھ کر چلا جاتا تھا یا نظر پھیر لیتا تھا۔ یہ اس وقت کی باتیں تھیں جب تنو کو خود عشق محبت کی اتنی سمجھ نہیں تھی اور جب سمجھ آئی تو دیر ہو چکی تھی، احتیاط کا وقت گزر چکا تھا۔

لاکھ جتنوں کے بعد بھی وہ یہ راز احسن سے چھپا نہیں پائی تھی۔ اس سے زیادہ بے تکلفی سے فضا، ماریہ، ضویا، فریحہ وغیرہ اس سے بات کر لیتی تھیں کہ وہ سلجھا اور ریزرو قسم کا تھا مگر اکھڑ یا بد مزاج یا خشک نہیں تھا۔ جب کہ وہ اس سے کترائی رہتی، سیدھے اس سے بات کرنے سے گریز کرتی تھی اور وہی ہوا کہ اس کے چھپانے کے جتن نے ہی سب اس پر عیاں کر دیا اور اسے لگتا تھا اسی بات نے احسن کو اس سے دور کر دیا تھا۔ پھر بھی اس کا رویہ ویسا جارحانہ اور نفرت انگیز نہیں تھا جیسی اس نے توقع کی تھی۔

احسن کی یہ اچھائی اسے اور ہی جھکا اور تھکا دیتی تھی۔ اسے لگتا وہ اس کی آزمائشیں بڑھا رہی ہے۔ وہ اپنی طرف سے حتی المقدور کوشش کرتی تھی کہ ان کا سامنا نہ ہوتا کہ وہ اپنے احساسات اس سے چھپا کے رکھے۔

Scanned with CamScanner

URDU NOVELS MAG

چائے پلنگ کے ساتھ والی تپائی پر رکھی ٹھنڈی ہو چکی تھی، چائے کی طلب دم توڑ چکی تھی اور دن بھر کی تھکان دور کی ہوئی تھی۔ کپ کو ہاتھ لگائے بنا وہ تولیہ اور کپڑے لے کر غسل خانے میں چلا گیا۔

☆☆☆

"چھٹی کب سے لی ہے تم نے؟" مغرب کے بعد وہ گھر آیا تو عفت نے پوچھا۔

"کل کا ہی دن ہے امی! اس کے بعد نہیں جاؤں گا۔" وہ اس وقت بھی باہر جانے کو تیار تھا۔

"ابھی کہاں جا رہے ہو؟"

"کیٹرر کی طرف اس کے بعد منڈپ والے کی طرف چکر لگاؤں گا، آپ کو کوئی کام ہے تو کہیں۔"

"ٹیلر کے پاس جانا ہے۔"

"تو چلیں۔"

"میں کہاں، سیکڑوں کام ہیں مجھے یہاں۔" عفت نے گردن موڑ کے پکارا۔ "تنو!"

"جی تائی امی۔" دائرے میں سر جوڑ کر بیٹھے جھرمٹ سے اس نے سر اونچا کیا۔

"الٹریشن اور فٹنگ والے کپڑے دے آؤ تم ٹیلر کو، احسن لے جائے گا تمہیں۔"

"مجھے ایڈریس دے دیں۔ میں دے دوں گا، آپ فون کر لیں، کسی کو جانے کی ضرورت نہیں۔"

"فون پر سمجھانے والا کام نہیں ہے بیٹا، اسے بتانا اور سمجھانا پڑے گا جو تنو ہی ٹھیک سے کر سکتی ہے، اٹھو بیٹا۔" اسے وہیں جما دیکھ کر انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ وہ اٹھ گئی۔

"نمو کے پاس کمرے میں ہی رکھے ہیں سارے شاپرز۔" عفت نے کہا۔

"ایک بار پھر پوچھ لینا اس سے کیا کیا کرنا ہے اور ٹیلر کو بھی جتا دینا سب کل شام تک کسی بھی طرح کر دے۔"

"جی۔" اس مختصر سفر میں احسن کو ہونے والی کوفت اور الجھن کا سوچ کر ابھی سے اس کے اعصاب شل ہونے لگے تھے۔

"زبردستی امتحان میں ڈال دیا تائی امی نے انہیں۔ اقدس بھائی یا زاہد کے ساتھ بھیج دیتیں مجھے۔" وہ سوچتے ہوئے نمو اور اپنے مشترکہ کمرے میں آئی اور اس سے ایک بار پھر ٹیلر سے کیا کروانا ہے کی تفصیل پوچھی۔

"کس کے ساتھ جا رہی ہو؟"

"احسن بھائی کے ساتھ۔" اس نے آئینے میں دیکھتے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

"منہ تو دھولو۔" اسے یونہی عبایا پہنتے دیکھ کر اس نے ٹوکا۔

"ٹھیک ہی ہے، دیر ہو جائے گی۔" اس نے اسکارف لپیٹ کر پن لگاتے ہوئے کہا۔

"دعا کرو۔ میں تائی جان کو انکار نہیں کر سکی۔" اس نے آئینے میں اپنے پیچھے اس کے عکس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"موقع ہے، لگے ہاتھوں بھائی سے پوچھ لینا کہ صرف تمہارے ساتھ ایسا رویہ کیوں ہے؟" اس نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"یہ ناممکن ہے میری جان!" وہ مسکراتے ہوئے پلٹی۔

نمو کی ہمیشہ یہ ہی کوشش رہتی تھی کہ ان دونوں میں سے کوئی تو پہل کرے اور یہ سرد دیوار گرائے۔ وہ اس کی تشویش پر بس ہاں میں ہاں ملاتی یہ نہیں کہہ سکی تھی کہ وہ ایسا ہی چاہتی ہے، یہ عین اس کی خواہش کے مطابق ہے اور اسے اس کی وجہ بھی پتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد نمو بستر پر گر گئی۔

ان دونوں کی زندگی پر باپ کی کھوئی، ادھوری اور ناکام محبت نے الگ الگ اثرات مرتب کیے تھے۔ یہ قصہ اتنا مشہور و مقبول تھا کہ وہ دونوں بہن بھائی کم عمری میں ہی ادھر ادھر سے سب سن چکے تھے۔ حالانکہ یہ باتیں ان کی موجودگی میں نہیں ہوتی تھیں مگر ان سے چھپی بھی نہیں رہ سکی تھیں۔ انہوں نے اپنے باپ کی محبت کی کہانی ہی سنی تھی، ان کی محبت

دیکھی نہیں تھی، بحیثیت شوہر بطور باپ۔

اس خلا اور کمی کا ہی اثر تھا کہ نمو نے پہلے قدم پر ملی محبت قبول کر لی تھی اور احسن نے اس سے بچنے کے لیے پہلے قدم پر ہی اپنے گرد بڑا سخت حفاظتی خول چڑھا لیا تھا۔ تبریز اس کی ہم جماعت یسریٰ کا بھائی تھا۔ جب یسریٰ نے اسے بتایا کہ تبریز اسے پسند کرتا ہے اور اس کے والدین اس کے گھر رشتہ لے کر آنا چاہتے ہیں تو اس نے فوراً ہاں کر دی، وجہ تبریز سے زیادہ اس کے گھر کا ماحول تھا۔ اسے اپنی دوست کے والدین کا رشتہ اور ان کی باہمی مفاہمت بے انتہا پسند تھی۔ وہ اس ماحول کا حصہ بننا چاہتی تھی، جو اس کے گھر میں نہیں تھا۔ اس کے والدین دریا کے دو کناروں کی طرح تھے۔

ان میں باہمی محبت کا فقدان ہی تھا جو اس نے تبریز کی محبت اپنا دل ٹٹولے بنا قبول کر لی تھی اور یہ ہی لاحاصل محبت تھی جو تصدق حسین نے بیٹی کا رشتہ کسی اگر مگر کے بنا قبول کر لیا تھا۔ گھر میں یہ بات چھڑی تو کسی کے کچھ کہنے سے پہلے انہوں نے فیصلہ سنا دیا تھا۔

"اگر نمو کو لڑکا پسند ہے تو مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔ نمو کی شادی اس کی پسند سے وہیں ہوگی۔" اس اعلان کے بعد سب چپ ہو گئے تھے۔ حالاں کہ ان کے خاندان میں پسند اور محبت شجر ممنوعہ تھے اور اس ممانعت کی وجہ بھی خاندان میں پھیلا ایک قصہ محبت ہی تھا۔ تصدق حسین اپنے باپ کو جتانا اور دکھانا چاہتے تھے کہ اولاد کی خوشی کی خاطر ان کی محبت قبول کرنا بھی والدین کے فرائض میں سے ایک ہے اور وہ اپنے تئیں اس میں کامیاب رہے تھے۔

نمو جانتی تھی اس کا بھائی تنو کو قریب کیوں نہیں آنے دیتا ہے اور تنو بھی جس طرح اس کے اجتناب اور احتراز کا احترام کرتی تھی، وہ اس کے دل کا حال سنا جاتا تھا۔ اسے اپنے بھائی کے لیے دنیا بھر کی خوشیاں چاہیے تھیں مگر اپنی مرضی اور پسند تھوپے بنا۔ وہ بس دعا کر سکتی تھی اور اب بھی وہی کر رہی تھی۔

وہ آگے بیٹھے یا پیچھے فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔

"بیٹھو۔" اسے یوں خیالوں میں گم دیکھ کر اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"آگے یا پیچھے؟" جو سوچ رہی تھی، وہ ہی زبان سے پھسلا۔

"کہیں بھی۔" اس نے کہا اور اندر بیٹھ گیا۔ وہ یونہی کھڑی رہی۔

"دیر ہو رہی ہے۔" اس نے آگے جھک کر کھڑکی سے جھانک کر کہا اور وہ پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ وہ اس کے لیے فرد اول تھا۔ اس کی اپنی خواہش اور ہمکتا دل بھی احسن حسین کے بعد آتے تھے۔

"ٹیلر کا ایڈریس؟" اس کا رواں رواں، ساری حسیات اس کی سمت متوجہ تھیں مگر وہ بظاہر بے نیازی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی کہ اچانک اس نے پوچھا۔ اس نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے پتا بتایا، اس نے سن لیا۔ وہ پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

کچھ دیر بعد وہ کیشر کے پاس رکا اور اسے کچھ کہے بنا باہر نکل گیا۔ اندر سے دس پندرہ منٹ بعد واپس آیا اور دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گیا۔ جانے کتنے وقت بعد اس نے درزی کی دکان کے سامنے گاڑی روکی تنو کو اندازہ نہیں تھا۔

سڑک کے اس طرف کار کھڑی کرنے کی جگہ نہیں تھی جہاں درزی کی دکان تھی۔ اسی لیے اس نے یوٹرن لے کر دوسری طرف کار روکی تھی۔ وہ ساری تھیلیاں اٹھائے سڑک عبور کر کے دکان میں پہنچی۔ وہاں سارا کام سمجھاتے ہوئے اسے دوبار گھر فون کرنا پڑا۔ فارغ ہوئی تو اسے احساس تھا کہ بہت وقت لگا ہے اور ابھی احسن کو کہیں اور بھی جانا تھا۔ وہ عجلت میں باہر نکلی۔ سامنے وہ گاڑی کے پاس کھڑا ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔

"بہت دیر ہو گئی ہے، جہاں جانا تھا، وہ آفس یا شاپ بند ہی نہ ہو گئی ہو۔" اس نے سوچا۔ عبایا ضرورت سے زیادہ لمبا تھا اور اس نے نکلتے وقت

Watermarkly
Scanned with CamScanner

URDU NOVELS MAG

جلدی میں ہیل بھی نہیں پہنی تھی۔ اب وہ پیروں میں الجھ رہا تھا۔ وہاں کھڑی گاڑیوں کے درمیان سے نکل کر وہ اپنی دھن میں تیزی سے اس طرف بڑھی اور اسے دیکھ رہا احسن پوری قوت سے چلا دیا۔

"تہنیت!" اس نے ادھر دیکھا۔ وہ تھوڑا خوف زدہ اور گھبرایا سا تھا۔ وہ اسے پیچھے ہونے کا اشارہ کر رہا تھا۔ ان سب میں سیکنڈز لگے تھے، وہ ایک دم پیچھے ہوئی۔ دائیں سمت سے، بہت قریب اور تیزی سے گزرتی گاڑی سے تو بچ گئی مگر اس طرح لڑکھڑا کر گر پڑی۔ خود کو بچانے کی کوشش میں بائیں ہاتھ کی ہتھیلی نیچے ٹک گئی تھی۔ خود کو سنبھالتے ہوئے وہ ہاتھ زمین سے اٹھایا تو ایسا شدید درد اٹھا کہ وہ بری طرح کراہ اٹھی۔ احسن سڑک عبور کرتا اس طرف آیا۔ وہ اسی وضع میں بیٹھی زمین پر بیٹھی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ جھکا۔ وہ سہارا دیتا اس سے پہلے ہی وہ کسی طرح اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے نیچے لٹکایا گیا بایاں ہاتھ تھام رکھا تھا۔

"کیا ہوا..... زیادہ تکلیف ہے؟" چہرہ درد کا گواہ تھا اور آنکھیں لبالب بھری تھیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟" اس نے بغور اس کے وجود پر نظریں دوڑائیں۔ وہ بولنے کے قابل نہیں تھی سو نفی میں سر ہلایا۔ جس طرح وہ دوسرا ہاتھ تھامے تھی وہ گہری یا بڑی چوٹ کا اشارہ تھا۔

"آؤ۔" ایک ہاتھ کے اشارے سے گاڑیوں کو روکتا، اس کے آگے چلتا وہ گاڑی تک آیا اور اگلا دروازہ کھولا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اس نے کار آگے بڑھائی۔ جس رفتار سے اس کے آنسو گر رہے تھے، اسی تیزی سے گاڑی دوڑ رہی تھی۔

اسے گھر پہنچنے کی جلدی تھی مگر چند منٹ بعد ہی گاڑی رکی تو وہ چونکی۔ وہ اسپتال کے سامنے رکے تھے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گیا تھا۔ اس کی سمت کا دروازہ کھلا تو وہ یونہی کلائی تھامے باہر آگئی۔ درد اتنا تھا کہ آنسو تھمنے میں نہیں آ رہے تھے۔ اسے ایک جگہ بٹھا کر وہ ادھر دوڑتا رہا۔

وہ ایک بڑے اسپتال کے ایمرجنسی کی وارڈ میں تھے۔ ڈاکٹر نے دیکھا پھر اس کی کلائی کا ایکسرے ہوا۔ کلائی میں ہیئر لائن فریکچر تھا۔ پلاسٹر کی ضرورت نہیں تھی مگر کلائی کو غیر متحرک اور ساکن رکھنے کے لیے ڈاکٹر نے اسپلنٹ تجویز کیا تھا۔ ان سب میں ایک گھنٹے لگ گئے تھے۔ وہ چپ چاپ اس کے حکم کی تعمیل کر رہی تھی۔ ساری گفتگو اور کام اسی نے کیے۔ سڑک سے یہاں تک اس کے ہر انداز اور کام میں پھرتی اور عجلت تھی۔ احسن گھر فون کر کے بتا چکا تھا۔ اسپتال میں ہی درد کی دوائی لے چکی تھی۔ واپسی پر پھر اس نے اگلی نشست کا دروازہ کھولا تھا۔ وہ پیچھے ٹیک لگا کے آنکھیں بند کیے بیٹھ گئی۔ اب کار کی رفتار اتنی نہیں تھی۔ دنیا نظر سے اوجھل ہوتے ہی اس کے کانوں میں اس کی آواز گونجی۔

"تہنیت!"

تکلیف تھی، درد تھا مگر وہ ہوش میں تھی اور اسے پریشان اور فکر مند سا بھاگتے دوڑتے دیکھتی رہی تھی۔

"تہنیت!" اس کے اندر اس کی گھبرائی سی آواز گونجتی ہی رہی۔

وہ سب کے لیے تنو تھی، یہاں تک کہ اس کی میں ٹیچرز بھی اسے تنو کہتی تھیں۔ سب کو اس کا نام مشکل اور بڑا لگتا تھا۔ جانے کب اس نے لوگوں کا نام بھی تنو بتانا شروع کر دیا تھا۔ اکثر تو شاید اس کا اصل نام بھی بھول چکے تھے۔ وہ اس سے بے تکلفی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے تنو نہیں کہتا تھا مگر اسے تہنیت بلانے والا وہ واحد انسان تھا۔ بے تکلفی سے بچنے کی یہ کوشش یکتا ہو گئی تھی، بہت خاص۔ اب سب کی طرح عام سا تنو کہنا بھی چاہتا تو نہیں کہہ سکتا تھا۔ دوا کا اثر تھا یا مسلسل اسے سوچنے کا کہ گھر تک اس کا درد غائب ہو گیا تھا۔ دروازے پر ہی سب ان کے منتظر تھے۔

"کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟" جیسے سوال کے بعد اس کے لیے ہمدردیاں تھیں پھر شادی میں اسپلنٹ کا اجتماعی صدمہ! اس کی دوائیں اور فائل نعما کو تھما کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

☆☆☆

اس سے پہلے بھی اس کی کئی راتیں کروٹیں لیتے گزری تھیں لیکن آج خاص بات یہ تھی کہ وہ تسلسل اس خیال، اس تصور کو جھٹک نہیں رہا تھا۔ جانے وہ اس مسلسل کوشش سے تھک گیا تھا یا آج وہ تھوڑی سی بے ایمانی کرنا چاہتا تھا، جو اس نے ان سے پیچھا چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کبھی کبھار کی یہ بے احتیاطی آگے کے مشکل سفر کا حوصلہ پیدا کرنے کے لیے ضروری تھی۔ جسے اس نے اپنے لیے شجر ممنوعہ قرار دیا تھا وہ اسی کا بیج اپنے اندر بوئے بیٹھی تھی۔

بنا کسی گفت وشنید اور الفاظ کے ہی مفاہمت کا یہ علم تھا کہ ایک دوسرے کی مشکلیں نہیں بڑھاتے تھے، پہلے ہی فاصلوں کا فیصلہ کر چکے تھے۔ کس کی نگاہوں کو پہلے قوت گویائی ملی تھی یاد نہیں تھا لیکن انہیں کہنے سننے اور سمجھنے سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔

وہ جیسے ٹیلی پیتھی سے سب طے کر چکے تھے کہ یہ ناممکن ہے، ان کے راستے ایک ہیں نہ منزل، دونوں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہیں کہ وہ محبت سے منہ نہیں موڑ سکتی، اسے خود سے الگ نہیں کر سکتی اور وہ محبت قبول نہیں کر سکتا، اس کے لیے اپنی بانہیں وا نہیں کر سکتا۔

جہاں وہ اس کے سامنے آتی خود بخود اس کے ذہن میں باپ کی کہانی کا کوئی جملہ، جملے میں بیان ہوا کوئی منظر لہرانے لگتا تھا۔ خاندان کی سب سے فرینک، لبرل اور زائشرآنٹی کی داستان گوئی نے اس کے ذہن کو اس قدر قدامت پسند کر دیا تھا کہ وہ محبت کے احساس پر بھی شرمندہ ہو جاتا تھا۔ ایک عجیب سا احساس جرم اور بے کلی اس کا احاطہ کرنے لگتی تھی۔

اسے لگتا وہ ہی سبب دہرایا جا رہا ہے، وہ بھی باپ کی اس کہانی کا حصہ بنتا جا رہا ہے اسی کا شکار ہو رہا ہے جس نے، ان تینوں کو محرومیاں دی تھیں اور اسے یہ منظور نہیں تھا۔ اسے لگتا تھا اس کی ماں اور نعما کے مجرم اس کا باپ اور محبت دونوں ہیں پھر وہ کیسے اپنی ماں اور بہن کے مجرم سے ساز باز کرتا۔

اس نے اس پر غصہ کرنا چاہا، اس بات پر اس سے ناراض ہونا چاہا کہ اس کی اجازت کے بنا وہ کیسے یہ جذبہ اس سے منسوب کر سکتی ہے، جو ان کی زندگیوں میں حسرتوں اور محرومیوں کا کارن ہے، مگر وہ ناکام رہا۔

اسے تنو کی کوشش اور ضبط محسوس ہوتا تھا۔ وہ اسے روکرنے، دور کرنے، خود سے لڑنے جیسی مشکلوں سے خود ہی بچا لیتی تھی۔ جہاں تک ممکن ہوتا وہ اس کے قریب نہیں پھٹکتی تھی۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتی اس کے راستے میں نہ آئے، اس سے دور رہے، ان کا سامنا کم سے کم ہو اور بات تو بالکل بھی نہ ہو مگر ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے مکمل اجتناب اور پردہ ناممکن تھا۔ ایک دوسرے کی راہ میں آسانیاں بچھاتے، ایک دوسرے کو مشکل سے بچاتے، ایک دوسرے سے دور رہنے کی کوشش میں وہ نا چاہتے ہوئے بھی گریز اور اجتناب کے انوکھے رشتے میں بندھ چکے تھے۔ پھر کچھ اتفاق اور حادثات انہیں ساتھ وقت بتانے پر مجبور کر ہی دیتے تھے جیسے آج ہوا تھا۔ چند ہی جملے انہوں نے ایک دوسرے سے کہے تھے لیکن اس سفر اور ساتھ نے ان کے اندر ایک دنیا آباد کی ہوئی تھی۔ وہ جاگتا رہا، اسے سوچتا رہا، خود سے لڑتا رہا۔

☆☆☆

دادا جان نے احسن کو اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ تصدق حسین کا دخل گھر کے معاملات میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ ان کی زندگی دفتر سے اپنا کمرہ اور اپنے کمرے سے دفتر تک ہی تھی۔

وہ زیادہ میل جول پسند نہیں کرتے تھے، خاندانی تقریبات میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے۔ کوئی ان سے کچھ کہتا بھی نہیں تھا نہ شکایت، نہ مشورہ کہ ملا جلا

Watermarkly
Scanned with CamScanner

URDU NOVELS
MAG

کرو، آیا جایا کرو۔ دادا جان اب پچھتاتے تھے کہ ان کے سخت فیصلے نے بیٹے کو دائمی افسردگی اور اداسی دے دی تھی۔

ان کے غصے اور سختی نے انہیں شادی پر مجبور تو کر دیا تھا لیکن وہ ان کا بھی آخری حکم ثابت ہوا تھا۔ اس کے بعد جس طرح وہ دنیا سے کٹ کر الگ ہوئے تھے، انہیں بھی دکھ ہوتا تھا۔

ان کا خیال تھا شادی کے بعد، بیوی بچوں اور گھر داری میں لگ کر، وہ ماضی بھول جائیں گے مگر ہوا یہ کہ اس کے بعد وہ آزاد ہو گئے تھے۔ اب کوئی مزید کچھ اور ان سے منوا نہیں سکتا تھا کہ فرماں برداری کا سب سے بڑا ثبوت وہ ان کی پسند سے شادی کر کے دے چکے تھے۔ اس کے بعد جیسے انہوں نے دنیا داری تیاگ دی تھی۔ بچوں کی بیماری ہو، سالگرہ یا اسکول کالج، سارے معاملات ہمیشہ عفت نے ہی دیکھے تھے۔ ان کے سارے جذبات و احساسات دنیا میں ایک ہی شخص کے لیے تھے۔ باقی سب کے لیے حتیٰ کہ اپنے بچوں کے لیے بھی وہ اس معاملے میں کنگال تھے۔

"مناسب اور صحیح طریقہ تو یہ تھا کہ پہلے تمہاری شادی کرتے اس کے بعد نعما کی خیر!" تصدق حسین کو خود اس ذمہ داری اور فرض کا خیال ہی کہاں تھا۔ وہ تو نعما کے لیے رشتہ آ گیا تو انہوں نے اعلان کر دیا اور اب دادا جان یہ شکایت بھی، بیٹے سے کرنے کے بجائے اس سے کر رہے تھے۔

"لیکن اب تم بتاؤ نصیر الدین کی بیٹی اور صالحہ کی بیٹی کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟" انہوں نے اپنی بیٹی اور بھتیجے جو اس کے ماموں تھے کی بیٹیوں کو امیدوار بنایا تھا۔

"میں نے ابھی ایسا کچھ سوچا نہیں ہے دادا جان۔"

"تو سوچو، میں اب اور رعایت نہیں دے سکتا۔"

"ان کے علاوہ بھی کسی کا نام لینا چاہو تو کھل کے کہو بیٹا۔" دادی جان نے آہستہ سے کہا۔ برسوں بعد وہ یہ کہنے کے قابل ہوئی تھیں۔ بیٹے کے لیے کچھ نہ کر سکنے کا افسوس انہیں اب تک تھا۔

"تم میرے سب سے بڑے پوتے ہو، اب تک تمہاری شادی ہو جانی چاہیے تھی، پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔ اب اور دیر مناسب نہیں۔ سوچو اور فیصلہ کرو اور اگر تم سے نہیں ہوتا تو کہہ دو، ہم خود ہی کسی کا انتخاب کر لیتے ہیں، تمہارے باپ کو تو فکر ہی نہیں ہے۔"

"دادا جان! دوائی۔" احسن کے پیچھے سے آ کر تنو نے ہاتھ ان کے آگے کیا۔ اس نے دیکھا ہی نہیں تھا کہ وہ بھی کمرے میں ہے۔ دادا جان کو وقت پر دوائیاں دینے کی ذمہ داری نعما کی تھی جو اب رضاکارانہ طور پر اس نے اپنے سر لے لی تھی۔

"یہی دو لڑکیاں تجھے تمہارے لیے مناسب لگتی ہیں۔" دادا جان نے تنو کے ہاتھ سے دوائیاں لے کر منہ میں رکھیں، اس نے تپائی پر رکھا گلاس انہیں تھمایا۔ وہ ایک ہی ہاتھ کا استعمال کر رہی تھی۔

"آنے والی گرمیوں کی چھٹی میں تمہاری شادی کرنا ہے اور چھٹیاں زیادہ دور نہیں۔" انہوں نے پانی پی کر گلاس اسے واپس کیا۔ اس نے جگ سے پانی انڈیل کر گلاس بھرا اور اسے ڈھانک کر باہر جانے لگی تھی کہ دادا جان نے پکارا۔

"تنو بیٹا اپنی تائی کو بھیج دو یہاں۔"

"جی دادا جان۔" وہ سعادت مندی سے کہتی باہر چلی گئی۔ اسے کسی گوشے میں چھپ کر رونا تھا۔

وہ اس سے انتظامات کے متعلق پوچھ تاچھ کر رہے تھے تب عفت بھی آ گئیں۔

"مجھے بلایا آپ نے؟" وہ بیٹے کو وہاں دیکھ کر حیران ہوئیں۔

"ہمم۔" انہوں نے پرسوچ سا ہنکارا بھرا۔ "نعما کی ذمہ داری سے سبک دوش ہونے کے بعد اب مجھے احسن کی فکر ہے، جلد اس کے فرض سے آزاد ہونا ہے، اس کام میں کسی وجہ سے دیر نہیں ہوگی

اب۔" وہ فیصلہ کر چکے تھے۔

"یہ اب بھی کہہ رہا ہے کہ سوچا نہیں، تم ماں ہو اب تم ہی نصیر الدین کی بڑی بیٹی اور ماریہ میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لو۔" فراخ دلی کا یہ مظاہرہ انہوں نے بڑے شاہانہ انداز میں کیا تھا۔ ان کے نزدیک رویے کی اس لچک پر ماں بیٹے کو خوش ہونا چاہیے تھا۔

"چاچا جان!" عفت نے فرش پر نظر جمائے بیٹھے بیٹے پر، ایک نظر ڈال کر سسر کو دیکھا جو ان کے والد کے کزن بھی تھے۔

"بچوں کی زندگی کے فیصلے ان کی مرضی سے ہونے دیں، احسن جب اور جس سے کہے گا ہم وہاں اس کی شادی کر دیں گے۔ وقت وہی مناسب ہوگا جب یہ تیار ہو۔" اتنے برسوں کی چپ اور پردہ داری کا صلہ تھا کہ اب ان میں اپنے خیالات کے اظہار کا حوصلہ آ گیا تھا۔ اب بھی انہوں نے اپنی زبان بچوں کے لیے کھولی تھی۔ اپنے لیے تو وہ خاموش ہی رہتی تھیں۔

"اس معاملے میں مجھے اپنے بیٹے کے ساتھ زور زبردستی نہیں کرنی۔"

دادا جان پہلو بدل کر رہ گئے، دادی جان کا پچھتاوا تھوڑا اور بڑھ گیا اور احسن اپنی ماں کی اجازت اور صاف گوئی پر، حیران اور کچھ خوش سا انہیں دیکھنے لگا۔

"زور زبردستی کہاں آ گئی اس میں؟" اب کے ان کے لہجے اور آواز میں پہلے والا سکون نہیں تھا۔

"اسے جو پسند ہے، اس کا نام اتا پتا بتا دے اور اگر نہیں پسند تو جو نام ہم دے رہے ہیں، ان میں سے کسی کا انتخاب کر لے، یہی تو کہہ رہا ہوں۔ اس کی پسند کے انتظار میں اسے بوڑھا تو نہیں کر سکتے، شادی بیاہ کی بھی عمر ہوتی ہے، وقت ہوتا ہے جو ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے، کب سے تیس سال کا ہو گیا ہے، اگر یہ فیصلہ اور انتخاب نہیں کر پا رہا تو تم مدد کر دو، اس میں غلط کیا ہے؟"

"امی!" اس نے ان دونوں کے چہرے دیکھ کر اسی وقت فیصلہ کر لیا۔

"میں انتخاب کا فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں، آپ جسے پسند کریں مجھے قبول ہے۔"

عفت بیٹے کی نادانی پر مسکرائیں لیکن ساس سسر کے سامنے بیٹے سے اس موضوع پر بات کرنے سے خود کو روک لیا۔ وہ نہیں جانتا تھا، قربانیوں کی تلافی مزید قربانی سے نہیں ہوتی۔

"چلو یہ اچھا ہے۔ عفت، اب تم جلد فیصلہ کر لو۔ ان دونوں کے علاوہ بھی کوئی تمہاری نظر میں ہے تو بتا دینا۔ شادی کا گھر ہے، یہاں سب ہی موجود ہیں۔" دادی نے کچھ اور رعایتیں بڑھا دیں۔

"ٹھیک ہے چاچا جان۔" عفت نے کہا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا تو وہ بھی کھڑی ہو گئیں۔

"نعماء کو مال جانا تھا، تم چھوڑ دو تو اچھا ہوگا۔"

"اب کون سی شاپنگ رہ گئی؟" دادی جان نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کی چند چیزیں ہیں جو وہ خود ہی جا کر لینا چاہتی ہے، ایک ہی شاپ سے خرید کر واپس آنا ہے۔"

"اسے کہیں دیر نہ کریں، مجھے گیارہ بجے فرنیچر والے کے پاس پہنچنا ہے۔" وہ دونوں ایک ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے۔

نعما کے ساتھ معمول کی طرح تنو نہیں تھی۔ اس کی چوٹ اور کلائی کے اسپلنٹ نے اسے محدود کر دیا تھا۔ احسن کو کئی باتوں کا افسوس ہوا۔ نعما کے ساتھ ضویا اور فریحہ کو چھوڑ کر وہ اپنے کام پورے کرنے نکل گیا تھا۔ تمام وقت ماں سے کہی بات اور ایک چہرہ اس کے ساتھ تھا۔

☆☆☆

رقیہ کی اسپتال سے واپسی کے بعد سے وہ اور ستارہ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھیں۔ وہ رو رو کر اب تھک گئی تھی اور ماں کو بالکل خاموش چھت کو تکتا دیکھ کر اسے ہول اٹھ رہے تھے۔ وہ گاہے گاہے دروازے سے جھانک کر، ماں کے سینے کو دیکھ رہی تھی

Scanned with CamScanner

URDU NOVELS
MAG

جس میں ہوری حرکت اسے تسلی دے رہی تھی۔ ان کی سانسوں کے درمیان کا وقفہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ جو سانس آتی جاتی تھی۔ وہ بھی بڑی قوت طلب تھی۔ وہ بار بار سینے پر ہاتھ رکھ کر سینہ مسل رہی تھیں اور اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

وہ اماں ابا کی شادی کے پورے گیارہ سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ اس کے ابا خاموش طبع، کم گو اور تنہائی پسند تھے۔ بہت بعد میں اس کے اندر ان کے مزاج پر سوال اٹھے تھے کہ آیا وہ ہمیشہ سے ایسے ہی تھے یا اماں سے شادی نے انہیں ایسا بنا دیا تھا۔

امیر گھرانے کی لاڈلی بیٹی، محبت کی پاداش میں اس غریب اور یتیم شخص سے بیاہ دی گئی تھی۔ اس محبت نے خاندان کو وہ داغ اور رسوائی دی تھی کہ کسی نے پلٹ کر انہیں دیکھا نہ اس سزا میں کچھ تخفیف کی۔ صرف اس کی نانی تھیں جو چوری چھپے اپنی لاڈلی کو روپے پیسے بھیجا کرتی تھی۔

دور دراز کا کوئی رشتے دار کبھی ملنے آ جاتا تھا۔ اکثر یہ ان کی بچپن اور جوانی کی سہیلیاں ہوتی تھیں۔ جانے مقصد کیا ہوتا تھا اس ملاقات کا کیونکہ ان کی آمد کے بعد اس کی ماں خوش ہوتی تھیں نہ مزاج خوش گوار ہوتا تھا۔ ان ہی ملاقاتوں کے دوران سنی باتیں تھیں جنہیں جوڑ جوڑ کر، کم عمری میں ہی اس نے ساری کہانی سمجھ لی تھی۔

اس کے گھر کا ماحول کبھی ایک عام گھرانے جیسا نہیں رہا تھا۔ اماں نے ساری دنیا کا غصہ اور اپنے ساتھ ہوئی زیادتیوں کا بدلہ شوہر سے لیا۔ ان کے اندر دنیا کو دینے کے لیے نفرت اور تلخیوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ وہ ابا سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھیں، اکثر معمولی باتوں پر جھگڑا کرتیں پھر خود ہی رونے بیٹھ جاتیں۔

اس کے ابا ہمیشہ خیال رکھتے تھے کہ وہ ناز و نعم میں پلی بڑھی ہیں اور کام کاج کی عادی نہیں۔ کبھی خود سے بیوی کو کچھ نہیں کہا۔ جتنا کر دیا ٹھیک ورنہ وہ خود ہی کھانا بنا لیتے، کر جھاڑو بھی لگا لیتے، کر لیتے، اسے اسکول کے لیے تیار کر کے بال بھی بنا دیا کرتے تھے۔

وہ اکیلی ہستی تھی جس کے لیے ان کے اندر نرمی تھی۔ وہ اس سے بھی دوسروں کی طرح زیادہ بات نہیں کرتی تھیں۔ لیکن ان کے برتاؤ میں جو تھوڑی سی محبت اور اپنائیت تھی، وہ صرف اس کے لیے تھی ورنہ یوں لگتا تھا، ان کے اندر کوئی احساس ہی نہیں ہے۔ دل چاہا تو گھر کا کام کیا، خود پر توجہ دی ورنہ سارا سارا دن کمرے میں بند پڑی رہتیں۔

کبھی صبح اٹھتے ہی ابا سے لڑائی شروع کر دیتیں، انہیں دنیا بھر کی باتیں سناتیں، اپنی قسمت کو کوستیں، گھر والوں کی بے حسی اور خود غرضی پر روتی چیختیں۔ ان کے دو ہی روپ تھے، بے حد خاموش یا چیختی چلاتی۔

اس نے بہت سوچا، قصوروار کون تھا۔ اس کے نانا نانی، اماں یا اس کے ابا......؟ اس کی ماں کا قصور تو کچھ ایسا نہ تھا کہ انہیں زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ تسلیم کر لیا جاتا۔ اگر باپ اور بھائی نے اسے ناک اور عزت کا مسئلہ نہ بنایا ہوتا۔ اس جگہ شادی نہیں کرنا تھی تو کم سے کم اپنے ہم پلہ لوگوں میں کرتے۔ یوں کسی غریب کے پلے باندھ کر دور دراز کے چھوٹے سے گاؤں میں تو نہ پھینکتے، اگر غصے میں بطور سزا ایسا کر بھی دیا تو یوں فراموش نہ کرتے، تعلقات رسمی سہی بحال تو رکھتے۔

اماں بھی اگر قسمت کا لکھا قبول کر لیتیں تو اس کے ابا اچھے شوہر تھے۔ ان کے ساتھ وہ من پسند نہ سہی لیکن ایک آسودہ زندگی بتا سکتی تھیں۔ اگر اس کے ابا نے احسانوں کا بدلہ اتارنے کے بجائے شادی سے انکار کر دیا ہوتا تو......؟ انکار نہ کر سکے تھے تو بیوی کو یوں اس کے حال پر چھوڑ دینے کے بجائے اسے محبت دیتے، اس کی سنتے، اس تک پہنچنے کے لیے کوئی پل ہی بناتے تو شاید اماں کی تلخیاں کچھ کم ہو جاتی تھیں۔

وہ یہ سب سوچتی رہتی تھی مگر کبھی کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی تھی کہ اس کی ماں کے، اس انجام میں زیادہ قصور کس کا تھا۔ اسے کبھی اپنی ماں پر غصہ آتا تو کبھی بہت ترس، کبھی وہ بے حد سنگ دل محسوس ہوتیں جو ساتھ رہنے والے دو اور انسانوں سے کوئی لگاؤ اور محبت نہیں رکھتی تھیں، تو کبھی وہ اسے محبت کی دیوی لگتیں، جس نے پہلی اور آخری محبت کچھ اس طرح نبھائی تھی کہ محبوب بچھڑا تو چہرے کی خوشی، لبوں کی ہنسی اور دل کی امنگوں کا خود اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا تھا۔

اس کے دکھ اور ہجر کو ایسے گلے لگایا تھا کہ زندگی میں پھر کسی مسرت کی گنجائش اور جگہ نہ رہی تھی۔

لیکن جب سے اماں بیمار ہوئی تھیں۔ اسے ان میں سے کوئی ایک خیال بھی تنگ نہیں کرتا تھا۔ اس کی جگہ ماں کی زندگی کی دعاؤں نے لے لی تھی۔ وہ برسوں سے دل کے عارضے میں مبتلا تھیں۔ اب صحت تشویش ناک ہو چکی تھی۔ ابا تو پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ نانا، نانی بھی دنیا میں نہیں تھے۔ دو بھائیوں کے لیے وہ زندہ اور مردہ برابر تھیں۔ ان کی تین بہنیں بھی تھیں، جن میں اس کی سب سے بڑی خالہ کبھی کبھار ملنے آتی تھیں لیکن اماں کی زبان کی کڑواہٹ اب کسی کو نہیں بخشتی تھی۔ ایک بار ان کی یہی کڑوی کسیلی باتیں خالہ کے بیٹے نے سن لیں تب سے ان کی آمد بھی بند تھی۔ اماں نے بھی خود سے اپنے گھر والوں سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تارہ!" انہوں نے اسے پکارا۔

"جی اماں۔" وہ فوراً حاضر ہوئی۔

"زیادہ لمبا سفر نہیں ہے، بس سے جائیں گے تو آٹھ دس گھنٹے لگیں گے۔ تو تیاری کر لے۔"

"کہاں جانا ہے؟"

"کل صبح نکلیں گے۔" انہوں نے جواب دینے کے بجائے وقت بتایا۔

"ذرا رفیقہ کو فون لگا کر دے مجھے۔" انہوں نے اپنی سہیلی کا نام لیا۔ جس سے وہ کبھی کبھار بات کر لیا کرتی تھیں۔

ڈاکٹر نے جو خبر انہیں سنائی تھی، انہیں اس دن کا تو کب سے انتظار تھا۔ اس زندگی اور دنیا میں وہ بس سانس لے رہی تھیں۔ ان میں جینے کی امنگ کب کی دم توڑ چکی تھی۔ مگر اب ان پر بیٹی کی فکر سوار ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنوں کے وہ خود غرض اور بے رحم روپ دیکھے تھے کہ کسی پر بھی اعتبار مشکل تھا۔ وہاں جانے کا فیصلہ بھی انہوں نے اعتبار کے بل پر نہیں کیا تھا۔ بہت لوگ مقروض تھے ان کے اور اب چند سے تقاضے کا وقت آ گیا تھا۔

"یہ چند دن کے بجائے مہینہ بھر بھی نہیں نکلے گا۔" وہ کپڑے تبدیل کر کے آئی تو ضوپا نے دوبارہ اسپلنٹ کلائی میں پہناتے ہوئے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اسے وہی جوڑا پہننا تھا جس کی آستین چڑھانے کی خاطر اسپلنٹ نکالنا ضروری تھا۔ ڈھیلی آستینوں والے سارے نئے جوڑے اس نے رد کر دیے تھے جو انہوں نے اس حادثے کے بعد اس کے لیے منتخب کیے تھے۔

"مہندی نہیں لگائی، چوڑیاں نہیں پہن سکتی۔ کم سے کم ڈریس تو پسند کا پہننے دو۔"

"جھوٹ تو نہ کہو، مہندی بھی ہے اور چوڑیاں بھی۔" فریحہ نے دوسرے ہاتھ کی سمت اشارہ کرتے ہوئے تصحیح کی۔

"میرا مطلب ہے، تم سب کی طرح میں مکمل تیار نہیں ہو سکتی مگر جتنا ہو سکتی ہوں، اتنا تو ہونے دو، نہ نکلے یہ مہینہ بھر، چلے گا مجھے۔"

اس نے اسپلنٹ پہن کر ہاتھ اوپر سینے پر رکھا۔ اسے ہاتھ لٹکانے سے منع کیا گیا تھا۔

"اب کوئی میرا میک اپ کر دو اور بال بھی بنا دو۔" اس نے کمرے میں، جنگی پیمانے پر چل رہی تیاریاں دیکھتے ہوئے کہا۔ کسی کے پاس فرصت نہیں تھی۔ تب ہی عترت بیٹے کو گود میں لیے میں اندر آئیں۔

"ارے تم ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہو......؟"

"ایک ہاتھ سے کیا کیا کروں......؟" مزاج اس کا بھی بگڑ رہا تھا۔ کیا کیا نہیں سوچا تھا اس نے شادی کے لیے اور وہ سب دھرا رہ گیا تھا۔

"نعما کو لینے گاڑی جا رہی ہے پارلر، تم بھی چلی

Watermarkly

CS Scanned with CamScanner

URDU NOVELS
MAG

جاؤ، وہیں سے تیار ہو کر آ جانا، مجھے اس کے ساتھ جانا تھا لیکن نہیں جا سکی۔" عترت کے چند ماہ کے بیٹے کو بخار آ گیا تھا۔ انہوں نے سوئے بیٹے کو جھولے میں لٹایا۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا آپی......" ماریہ چیخی۔ "انہوں نے تمہی کل اپائنٹمنٹ دیے تھے، میرا رہ گیا تھا آپ کی جگہ میں چلی جاتی ناں۔"

"اچھا ہی ہوا۔" وہ کھڑی ہوگئی۔

اسے پارلر والا برائیڈل میک اپ اچھا نہیں لگتا تھا جو بندے کی اصلی شکل مکمل طور پر چھپا کر بیگز ین والی ماڈل بنا دیتا ہے مگر اس وقت وہی غنیمت تھا ورنہ اسے یونہی ڈھلے چہرے سے شریک ہونا پڑتا۔

"دیکھو زاہد نکل رہا تھا، کہیں چلا نہ جائے۔"

اس نے فوراً زاہد کو فون لگایا۔

"میں بھی آ رہی ہوں، رکو۔"

"میں گیٹ پر ہوں، جلدی آؤ۔" وہ تیزی سے باہر دوڑی، راہداری میں دوسری طرف سے آرہے احسن نے اسے بھاگ کر، دروازے کی طرف آتے دیکھا تو بے اختیار ہاتھ اٹھا کر اسے روکتے ہوئے آواز دینے لگا تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا۔ ایسے بے قابو ہونا اس کا خاصہ نہیں تھا۔ گہرے سبز فرش کو چھوتے فراک میں ہیل پہنے وہ جس عجلت کا شکار تھی اسے لگا پھر کوئی حادثہ ہو جائے۔

وہ اس کے راستے سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی اس کے قدم سست ہو گئے۔ اس وقت وہاں آخر میں ہال جانے والے چند افراد ہی تھے اور اس کے مطابق احسن کو بھی ہال میں ہونا چاہیے تھا۔ چند پل دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اب چونکہ وہ دوڑ نہیں رہی تھی تو وہ بھی آگے بڑھ کر زینہ چڑھ گیا۔ تنو کا کچھ دیر پہلے والا سارا جوش جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔

"جلدی آنے کو کہا تھا میں نے۔" زاہد اسے سنبھل سنبھل کر قدم اٹھاتے دیکھ کر دور سے ہی کلس رہا تھا۔

"سوری۔ اب چلو۔" اس نے غور ہی نہیں کیا تھا، زاہد کی بغل والی نشست پر کون بیٹھا ہے۔ سارا راستہ وہ خاموشی سے باہر دیکھتی رہی اور زاہد کے ساتھ باتوں میں مشغول، کامران کی نظر بھٹک بھٹک کر بیک ویو مرر میں اس پر ٹھہرتی رہی۔

تنو کی بند آنکھوں کے پیچھے سیاہ کرتے شلوار میں دروازے کے پاس کھڑا وہ خوب صورت انسان تھا جو اس کا نہیں تھا۔

واپسی میں باقی سب نے بھی اس کی خاموشی محسوس کی۔ اچھا تھا کہ اس کے پاس ہاتھ کی صورت میں ایک واضح بہانا موجود تھا۔ اس سارے ہنگامے اور رنگ و روشنی کی محفل میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ نعما کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر وہ اٹھ کر باہر گلی ہوا میں جانے کے ارادے سے، ہال کے دروازے سے باہر نکلی ہی تھی کہ پیچھے سے کسی نے پکارا تو مڑی۔

"تنو!"

"جی۔" کامران اس کے ماموں کی بہو شائستہ کا چھوٹا بھائی تھا۔ اس کے رکنے پر وہ مزید قریب آیا۔ اسے لگا تھا کوئی کام کی بات پوچھے گا، یا خواتین والے حصے سے کسی کو بلانے کہے گا مگر وہ جس طرح غور سے اسے دیکھ رہا تھا اسے اچھا نہیں لگا۔

"جی کوئی کام تھا؟"

"جی، بہت اہم۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"آپ مجھے اچھی لگی ہیں اور میں جلد امی سے بات کروں گا۔"

"امید ہے یہ جاننے کے بعد آپ انکار نہیں کریں گی۔"

اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسی کوئی بات کرے گا۔ وہ بری طرح گڑبڑائی اور اس سے کچھ کہے بغیر واپس اندر کی طرف مڑ گئی۔

سچ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ ہونے والی عام سی بات تھی مگر اسے کبھی خیال نہیں آیا تھا۔ وہ نہیں مل سکتا، اس نے یہ حقیقت قبول کر لی تھی مگر اب تک

دوسری بڑی سچائی سے آنکھ نہیں ملائی تھی کہ ہو گئی اور وہ سید ھا امی کے پاس پہنچی۔ اس کا دل بے حد اداس ہو گیا۔ وہ سیدھا امی

"گھر کی چابی کس کے پاس ہے امی؟ میرے ہاتھ میں بہت درد ہو رہا ہے، میں آج دونوں وقت کی میڈیسن لینا بھول گئی تھی، مجھے گھر جانا ہے۔"

جتنی رو ہانسی وہ ہو رہی تھی، نازیہ نے اسے چابی دے کر اقدس کے ساتھ گھر بھیجنا مناسب سمجھا۔ ہال گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اقدس اسے بائیک سے گیٹ تک چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

وہ کسی مہمان کو لینے باہر آیا تو ضوبا مل گئی۔

"احسن بھائی! تنو ادھر تو نہیں آئی؟"

"نہیں۔" وہ بھلا مردوں والے حصے میں کیا کرنے آتی۔

"کیا ہوا؟"

"وہ ادھر نہیں ہے تو مجھے لگا، کسی کام سے ادھر نہ آ گئی ہو۔"

"دیکھو، وہیں کہیں ہو گی۔"

"سب جگہ دیکھ لیا، کسی نے بھی نہیں دیکھا اسے کافی دیر سے۔"

تب ہی پاس سے گزرتا اقدس سن کر رک گیا۔

"اس کے ہاتھ میں درد تھا زیادہ تو گھر ڈراپ کر کے آیا ہوں۔"

"اچھا، وہی کہوں، ایسے کہاں غائب ہو گئی۔" ضوبا کو ذرا تسلی ہوئی۔

وہ اپنے اور نعما کے مشترکہ کمرے میں آکر بستر پر بیٹھ گئی۔

دادا جان نے احسن کو انتخاب کے لیے دو نام دیے ہیں، یہ بات سب کے علم میں آ چکی تھی۔ کزنز میں وقت چپکیں لگانے کے لیے رقو آنٹی اور تصدق انکل کے بعد یہی موضوع، ہاٹ فیورٹ، تھا۔ وہ سب ماریہ اور مدیحہ کو چھیڑ بھی رہی تھیں۔ اکثریت کا خیال تھا، ماریہ بازی لے جائے گی۔

وہ یہ سب سن کر دل گرفتہ تھی کہ آج نہیں تو کل یہ تو ہونا ہی تھا مگر کامران کی بات نے، اچانک ہی اس کی زندگی کا اگلا پڑاؤ، اس کے سامنے لا کھڑا کیا تھا جسے وہ جانے کیسے اب تک بھولے ہوئے تھی۔

اس کے ساتھ ہمیشہ ہی دور دور سے احسن کو دیکھتے ہوئے جینے کا تصور تھا۔ ذرا دیر پہلے کامران نے اسے اس غفلت کی نیند سے جگا دیا تھا۔ احسن کو کسی اور کے ساتھ دیکھنے کا خیال، اذیت ناک سہی مگر وہ اسے قبول کر چکی تھی لیکن اس کی اپنی زندگی میں کوئی دوسرا اسے قبول نہیں تھا۔ محبت احسن کی دشمن تھی، اس کی تو نہیں۔ وہ تو اسے عمر بھر گلے لگائے رکھ سکتی تھی۔

اس کا فون بار بار بج رہا تھا۔ آخر اس نے آواز بند کر کے تکیے کے نیچے ڈال دیا۔

"دادا جان میرا نام بھی تو لے سکتے تھے......" اب تک صابر رہا دل مچلنے لگا تھا۔ اس نے ہاتھ گھٹنوں کے گرد پھیلائے تو نظر اسپلنٹ پر پڑی۔

"کاش ہاتھ ہی ٹوٹ جاتا، معذور لڑکی کسی کو پسند ہی نہ آتی۔" وہ رو رہی تھی۔

"پھر تائی امی کو مجھ پر رحم آتا اور وہ میری ان سے شادی کروا دیتیں، تائی امی کی بات تو وہ ٹال ہی نہیں سکتے......"

سوچنے پر پابندی تھی نہ کوئی فلٹر تھا۔ مگر سارے الٹے سیدھے قیاسوں کے بعد بھی، یہ حقیقت جوں کی توں تھی کہ انہیں نہیں ملنا۔ وہ گیلے ٹشو سے میک اپ صاف کرتے ہوئے روئے جا رہی تھی۔ کامران کی بات کے بعد اسے میک اپ پر ہی غصہ آ رہا تھا۔

"کاش! میں احسن سے اپنے جذبات چھپا پاتی!" اسے مسئلہ محبت سے تھا، تنو سے نہیں۔ اگر وہ اس کی محبت سے بے خبر ہوتا تو...... وہ شاید یوں بچتا اور کتراتا نہیں۔

سوچتے سوچتے رونے کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ تب ہی آہستہ سے دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا۔ اس نے سر اٹھایا تو لگا وہم ہوا ہے مگر نہیں وہ قدم اٹھاتا آگے آ رہا تھا۔

"چلو۔" اس نے اپنے جوتے سے فرش پر ایک

Watermarkly
CS Scanned with CamScanner

URDU NOVELS MAG

طرف رکھ کے اس کے سینڈل پلنگ کے قریب سرکائے۔

"کہاں؟" اس نے جھٹ پٹ ٹشو سے آنسو صاف کیے اور حیرت سے پوچھا۔

"ہاسپٹل۔"

"ہاسپٹل۔۔۔کیوں۔۔۔سب خیریت ہے نا؟" اچانک ہی وسوسے سر اٹھانے لگے۔

"درد ہے اس لیے۔" اس نے انگلی سے کلائی کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ۔۔۔امی نے بھیجا ہے آپ کو۔" وہ سمجھ گئی۔ "اتنا درد نہیں ہے، میں نے میڈیسن لے لی ہے۔" اس نے جھوٹ کہا۔

"رونے سے تو نہیں لگ رہا۔" اسے حیرت کے جھٹکے پر جھٹکے لگ رہے تھے۔

"اس وجہ سے نہیں۔۔۔۔" وہ روانی میں بولنے لگی تھی کہ رک گئی۔

"تو کس وجہ سے؟" یہ الفاظ اس کی زبان سے ادا نہیں ہوئے لیکن اس کے چہرے پر درج تھے۔ وہ جس طرح جم کے کھڑا تھا وہ جواب کا مطالبہ تھا۔ اس التفات پر اسے لگا اب وہ مزید خشوع وخضوع سے رونے لگے گی۔

"امی سے کہہ دیں، میں ٹھیک ہوں، پریشان نہ ہوں، وہ اسپلنٹ والا ہاتھ سینے پر رکھ کے دوسرے ہاتھ سے کپڑے سنبھالتی پلنگ سے اتری۔ "بس، پین کلر لے کر سو رہی ہوں۔"

"وہ تو لے لی تھی۔" وہی سنجیدہ انداز جو اس سے بات کرتے ہوئے ہوتا تھا۔

"ہاں۔۔۔وہ۔۔۔۔بس لینے اٹھ رہی تھی۔" کہتے ہوئے اس کا ہاتھ آرائشی میز کی سمت اٹھا تھا۔ احسن نے مڑ کر دیکھا۔ وہاں دوائیوں کا لفافہ اور پانی کی بوتل رکھی تھی۔ آرائشی میز تک جا کر اس نے لفافہ اور بوتل اٹھائی اور واپس آ کر دونوں پلنگ پر رکھ دیے۔

"لے لو۔" اس کے بھیگے چہرے پر ایک نظر ڈال کر وہ پلٹا۔

"میں اس لیے رو رہی تھی کہ۔۔۔۔۔" پیچھے سے آتی، اس کی آواز پر وہ رک گیا۔ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ وہ بھی رک گئی تھی۔ اتنا کہنے کے بعد اب آگے کہتے ڈر لگ رہا تھا۔ احسن پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"نعما کے بعد اگلا نمبر میرا ہو سکتا ہے اس گھر سے رخصت ہونے کا۔" اپنی زبان سے ادا ہوئے لفظوں پر وہ خود حیران تھی۔ اتنی جرات اس میں جانے کہاں سے آ گئی تھی۔ احسن نے سنا، چند پل اسے دیکھا اور مڑ کر کمرے سے نکل گیا۔ وہ بے دم سی پیچھے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ ایک خوش فہمی کا جگنو جو اس کے آس پاس منڈلاتا پھرتا تھا وہ بجھ گیا تھا۔

گریز، کشمکش اور تکلف میں لپٹی توجہ، سب نے اسے کسی اور ہی گمان میں مبتلا کر دیا تھا جو اس وقت بری طرح ٹوٹا تھا۔

"میں نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا، وہ محبت کو گلے لگا ہی نہیں سکتے اور اب تو بالکل ہی نہیں۔"

اس نے دوائیاں لیں کہ اس کے بعد نیند آ جاتی تھی۔ صبح جاگی تو اس کے اس طرح بتائے بنا گھر آ جانے اور رخصتی کے وقت غائب رہنے پر سب نے باتیں سنائیں۔ کچھ ناراض تھے اور کچھ اس کی تکلیف پر فکر مند۔

"دوائیاں وقت پر لو، بھولنا مت کل کی طرح ورنہ ویسے میں پھر درد کے مارے رونے لگو گی نہیں تو ایسا کرو، ایک بار ڈاکٹر کو دکھا لو۔" نازیہ نے کہا۔

"دوا لے لی ہے امی! اس سے آرام ہو جاتا ہے۔" سچ تو یہ تھا کہ اسے ہاتھ میں کوئی تکلیف نہیں تھی، درد تو بروقت سوجھا بہانہ تھا بس۔

"ڈاکٹر اور ہاسپٹل کی ضرورت نہیں ہے، کل آپ نے احسن بھائی کو بھی خوامخواہ بھیجا۔"

"احسن آیا تھا؟ میں نے تو نہیں بھیجا تھا۔"

"آں۔۔۔۔اچھا۔۔۔۔کسی کام سے آئے ہوں گے، میں رو رہی تھی تو کہا ڈاکٹر کے پاس لے چلتے

ہیں اس لیے مجھے لگا شاید آپ نے بھیجا ہوگا۔"

"وہ کہاں لے جاتا ڈاکٹر کے پاس، کتنا مصروف تھا کل وہ بچہ۔"

"تو کیا وہ۔۔۔۔۔" اس کے آس پاس پھر جگنو منڈلانے لگے۔

☆☆☆

رفیقہ سے بات کرنے کے بعد اماں نے اگلے دن کا سفر رد کر دیا تھا۔ اس کے ایک ہفتہ بعد پورے دس گھنٹے بس میں طے کر کے وہ ایک بڑے سے مکان کے آگے رکشا سے اتری تھیں۔ اس ایک ہفتے میں اماں کی طبیعت سنبھلنے کے بجائے بگڑتی ہی گئی تھی۔ ان کے پاس سامان کا ایک بیگ تھا۔ ایک جوڑی ان دونوں کے کپڑے اور باقی جگہ دوائیوں نے لے لی تھی۔

بڑے سے دو منزلہ مکان کے گیٹ پر کوئی چوکیدار نہیں تھا۔ اندر آنے کے بعد ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ دروازے میں فجو باجی نمودار ہوئیں۔

"کس سے ملنا ہے آپ کو؟" انجان اور نئے چہرے دیکھ کر انہوں نے ذرا سختی سے پوچھا۔

"سخاوت حسین اور تصدق حسین سے۔"

"آیئے۔" انہیں ہال میں بٹھا کر وہ اندر اطلاع دینے جانے لگیں تو انہوں نے پیچھے سے آواز دی۔ "سنو! ان سے کہنا رقیہ ملنے آئی ہے۔" فجو باجی کے کان کھڑے ہو گئے۔ برسوں سے یہاں کام کر رہی تھیں۔ یہ کہانی انہیں بھی ازبر تھی۔ ان کے ہاؤ بھاؤ ہی بدل گئے۔ وہ تیز قدم اٹھاتی اندر بھاگیں۔

تصدق حسین ہی کیا کسی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ حسن ڈھل بھی چکا ہو تو بھی اپنے نقش چھوڑ جاتا ہے مگر رقیہ حالات کے جس گرداب میں پھنسی اور پسی تھیں، اس نے انہیں سراپا بدل دیا تھا۔ رہی سہی کسر بیماری نے پوری کر دی تھی۔

تصدق حسین کی نم آنکھیں کسی سے مخفی نہیں تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ صدیوں کا ہجر کاٹ کے ملے ہیں مگر ان کے دل میں، موجزن چاہت کا سمندر اسی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا جیسا آج سے بتیس سال پہلے۔ ہال میں جمل حسین کے علاوہ گھر کے سب ہی بڑے موجود تھے اور ساری نوجوان نسل کھڑکیوں اور دروازوں سے کان لگائے کھڑی تھی، جن میں فضا، فریحہ اور ماریہ بھی تھیں۔

احسن ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا اور نعما ہنی مون پر تھی۔ دور دراز گاؤں سے آئے دادا جان کے کچھ مہمان اب بھی اوپر موجود تھے۔ ہال میں اتنے نفوس موجود تھے مگر سناٹا قبرستان جیسا تھا۔

"بڑے ابا! میری زندگی کو عبرت ناک سزا بنانے میں جتنا قصور میرے ابا کا تھا، اتنا ہی آپ کا بھی ہے۔"

جذبات سے عاری لہجے میں وہ بنا تمہید کے شروع ہوئی تھیں۔ انہوں نے اس وقت بھی کبھی بڑے ابا کی آنکھوں میں دیکھ کر بات نہیں کی تھی۔ سر جھکا کر سلام کرتیں اور چلی جاتیں مگر آج کی رقیہ میں اس وقت کی رقیہ کی کوئی بات نہیں بچی تھی۔

وہ سب انہیں دیکھ کر کم حیران نہ تھے اس پر ان کا لہجہ اور باتیں۔ وہ کہانی جس کا بڑا گہرا اثر وہاں موجود ہر شخص کی زندگی پر پڑا تھا پھر بھی کسی نے اسے زبان پر لانے کی غلطی نہیں کی تھی، وہ سب ان سے اتنی صاف اور کھلی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

"ابا ضد پر اڑے تھے تو آپ انہیں منا سکتے تھے، آپ بڑے تھے، وہ آپ کی بات مان جاتے لیکن آپ دونوں نے اپنی انا اور نام نہاد عزت پر ہماری خوشیاں اور محبت قربان کر دی۔ میں نے کسی کو معاف نہیں کیا ہے نہ قیامت کے دن کروں گی۔ میری زندگی گزر گئی، اب مجھے اپنی بیٹی کی فکر ہے۔ میرا دل ناکارہ ہو چکا ہے، یہ بس اب کسی بھی وقت بند ہونے والا ہے۔"

بات کرتے ہوئے بھی ان کا سانس پھول رہا تھا۔ چہرے اور پیروں پر سوجن تو تھی ہی، سرخی بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔

تصدق حسین کے انگ انگ سے بے قراری

Scanned with CamScanner

URDU NOVELS
MAG

جھلک رہی تھی۔ ان کے اندر بہت سے سوال تھے مگر وہ سب کے سامنے پوچھ نہیں سکتے تھے پھر رقیہ بھی رکنے کو تیار نہ تھیں۔ وہ اپنی کہنے آئی تھیں اور کہے جا رہی تھیں۔

"میری اور میری اولاد کی افلاس بھری زندگی کے ذمہ دار میرے بھائیوں اور ماں باپ کے ساتھ ساتھ آپ بھی ہیں۔ مجھے اپنے بھائیوں سے اب بھی کسی اچھائی کی امید نہیں ہے۔ اس لیے یہاں آئی ہوں آپ کو تلافی کا ایک موقع دینے کہ آپ ماضی کی غلطی سدھار لیں، آخرت میں شرمندگی سے بچ جائیں، میری آہوں اور انصاف کی خاموش التجاؤں کا رخ بدل جائے......" انہوں نے نظروں کا رخ تصدق حسین کی سمت کیا۔

"میری بیٹی کو تحفظ بھری چھت اور ایک مضبوط تعلق دے کر ماضی کی تلافی کرلیں، مجھے لگے گا مجھے سب مل گیا ہے جس کی کبھی میں نے خواہش کی تھی......" وہ آواز مضبوط رکھنا چاہتی تھیں، اس میں کام یاب بھی رہیں مگر آنکھیں بھر آئی تھیں۔ تصدق حسین کے حلق میں بھی کوئی پھندا سا اٹکا تھا۔

ستارہ ماں کی بات سن کر ششدر رہ گئی۔ یہاں آنے کا یہ مقصد تو اس کے گمان میں بھی دور دور تک نہیں تھا۔ وہ اسے زیادہ کھل کر کچھ بتاتی نہیں تھیں، کہیں ساتھ چلنے کا کہا تو اسے لگا تھا کہ وہ اسے اپنے بھائیوں کے پاس لے جا رہی ہیں۔ وہ تو جب انہوں نے پھوپھو باجی کو بتایا کہ کس سے ملنا ہے تو وہ چونکی۔ اگر اسے معلوم ہوتا تو وہ کبھی یہاں آتی نہ انہیں آنے دیتی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تم ابھی آئی ہو۔ آرام کرو بعد میں سکون سے بات کرتے ہیں۔" دادی جان نے کہا اور نازیہ کو دیکھا۔ یہ تماشا بتیس سال قبل والے تماشے سے زیادہ نقصان دہ تھا۔

"ان دونوں کو کمرے میں لے جاؤ اور کھانے کا دیکھو۔" نازیہ اور شمشاد ... سپاٹ

چہرہ لیے کھڑی تھیں۔

"نہیں۔" رقیہ نے ہاتھ اٹھا کر ان دونوں کو روکا۔ "میں اتنی دور سے یہاں آرام کی غرض سے نہیں آئی ہوں، میرے پاس وقت نہیں ہے، مجھے اپنی بیٹی کے مستقبل کی یقین دہانی چاہیے کہ وہ یہاں محفوظ رہے گی۔ اس کے بعد شاید میں آپ سب کو معاف کردوں حشر میں آپ کا دامن پکڑ کے اللہ سے انصاف کا تقاضا نہ کروں ورنہ میرے دل کو جو تکلیف اور اذیت آپ نے پہنچائی ہے اس کا حساب آسان نہیں، جتنا میں تڑپی ہوں، جتنا میں نے سہا ہے، اس کے بعد میری آہ بے کار نہیں جائے گی۔" سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ ان کے الفاظ سب ہی حاضرین کو بے چین کرنے کے لیے کافی تھے۔

"تصدق" ان کی بھیگی آواز پر جہاں تصدق حسین کی دنیا بدلی وہیں کہیں ماتم پھیل گیا۔

"میں ستارہ کو تمہارے حوالے کرتی ہوں کہ تم اسے در بدر رلنے نہیں دو گے، اس کی حفاظت کرو گے، ہمیشہ اس کا خیال رکھو گے، اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے اور مجھے تمہارے علاوہ کسی اور پر بھروسا نہیں ہے، میں سکون سے مر بھی نہیں سکتی اگر......"

وہ آگے بول نہ سکیں اور سینے پر ہاتھ رکھ کے لمبی لمبی سانسیں لینے لگیں۔

ستارہ نے انہیں تھاما۔ وہ بھی رو رہی تھی۔ اس کی تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس کی ماں یہ سب کیا کر رہی ہے۔ اسے شرمندگی ہو رہی تھی، اپنا یوں تماشا بننا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر وہ ان کی حالت کے پیش نظر انہیں روک بھی نہیں پا رہی تھی۔

"میں ستارہ کی ذمہ داری لیتا ہوں، تم اس کی بالکل فکر نہ کرو میں......" تصدق حسین کی بھیگی سی لرزتی آواز میں بھی بے قراری تھی۔

"اماں......! اماں......!" ستارہ کی چیخوں میں ان کی بقیہ بات دب گئی۔ وہ بے سدھ ہو کر اس کی بانہوں میں جھول رہی تھیں۔

فوراً انہیں اسپتال لے جایا گیا جہاں ڈاکٹر نے انہیں انتہائی نگہداشت میں داخل کر دیا تھا۔

☆☆☆

تصدق حسین، ستارہ کے ساتھ پورا وقت وہیں تھے۔ باری باری وہ اور ستارہ ان سے مل کر آئے تھے۔ انہوں نے تصدق حسین سے وعدہ لیا تھا اور ستارہ کو صرف انہیں پر اعتبار کا درس دیا تھا۔ احسن کو خبر ہو گئی تھی۔ دادا جان نے رقیہ کے بھائیوں کو فون کر کے ان کی بیماری کی خبر کر دی تھی۔ ڈاکٹر نے کوئی حوصلہ افزا بات نہیں کہی تھی۔ ستارہ یہ سب پہلے سے جانتی تھی۔ ڈاکٹر نے چند دن قبل ہی بتا دیا تھا کہ ان کے پاس کتنا وقت بچا ہے۔ ان کا دل اب مزید جینے کے لیے تیار نہ تھا۔

گھر میں کوئی اس پر بات نہیں کر رہا تھا۔ ایک عجب سی خاموشی چھائی تھی۔ سب عفت سے نظریں چرا رہے تھے۔ موت سے قبل ہی گھر کی فضا ماتمی ہو گئی تھی۔ شادی کے کچھ مہمان جو اب تک موجود تھے، انہوں نے اس عجیب و غریب صورت حال میں رخت سفر باندھنا مناسب سمجھا۔ فوزیہ آنٹی جو اپنے گھر چلی گئی تھیں، وہ یہ سن کر واپس آ گئیں۔

ایک دن اور ایک رات اسپتال میں گزارنے کے بعد رقیہ اس دنیا سے چلی گئیں۔ پورا وقت ستارہ کے ساتھ تصدق حسین بھی وہیں تھے۔ ان کے دونوں بھائی تدفین میں شریک ہونے آئے تھے۔ جسے دادا جان نے، اپنے گھر کی بہو بنانے سے انکار کر دیا تھا اس کا جنازہ ان ہی کے گھر سے اٹھا تھا۔ ایک بار پھر سرگوشیوں میں وہی کہانی سب کی زبان پر تھی جو بزرگوں نے دبانے کچلنے کی کوشش میں مشہور کر دی تھی۔ سب احسن اور عفت کو دیکھ کر چپ ہو جاتے۔ وہ دونوں مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرموں کی طرح سر جھکائے تھے۔ تصدق حسین کو اب کسی کی پروا نہیں تھی کہ کون کیا کہے گا اور کون کیا سوچتا ہے۔ وہ حسب دستور اپنے کمرے میں بند تھے۔

دادا جان نے رقیہ کے بھائیوں سے ستارہ کا ذکر کیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس کی ذمہ داری لینے کو تیار تھے نہ اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک ان کے پاس نہ آ کر اور تصدق حسین کے گھر آ کر، رقیہ نے ایک بار پھر ان کی عزت مٹی میں ملا دی تھی۔

دادا جان نے سمجھایا، ستارہ کا خرچ خود اٹھانے کا یقین دلایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور ستارہ کو دیکھے بنا، اس سے ملے بنا ہی واپس لوٹ گئے۔

☆☆☆

لڑکیاں سب کمرے میں ستارہ کو گھیرے بیٹھی تھیں۔ وہ دکھی تھی اور سب دلجوئی کرنا چاہتی تھیں۔ اس کے گاؤں کا نام، اس کی تعلیم جیسی ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ اب اسے باری باری اپنے طریقے سے تسلیاں دے رہی تھیں۔ اس سے پہلے وہ سب کی باتیں سن چکی تھی جو اس بات پر متفق تھیں کہ اب دادا جان اور تایا ابا دونوں کا متفقہ فیصلہ احسن اور ستارہ کی شادی ہوگا۔

اسے اس لڑکی کے لیے اپنے جذبات سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ وہ بری لگ رہی تھی، کبھی قابل رحم محسوس ہوتی تو کبھی لگتا وہ اس کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ بلاشبہ وہ خوب صورت تھی۔ اس کی امی اور چاچی نے دیکھتے ہی کہا تھا کہ وہ ہو بہو رقیہ ہے۔

وہ کم صورت نہیں تھی لیکن اس کے مقابلے میں خود کو دیکھتی تو حسن میں اپنا آپ کمتر لگ رہا تھا۔ اس عجیب و غریب صورت حال میں اب تک ستارہ نے خود کو پروقار طریقے سے سنبھالا ہوا تھا۔ تنو کے علاوہ سب کو اسے جاننے اور سننے کا بڑا اشتیاق تھا۔ دلاسے اور تسلی کے دوران انہیں پھر کچھ یاد آتا اور وہ اس سے سوال کرنے لگتیں۔ ستارہ بھی تحمل سے بنا کسی ناگواری اور جھنجلاہٹ کے دھیرے دھیرے جواب دے رہی تھی۔

کچھ دیر دور سے اسے دیکھتے ہوئے سوچنے کے بعد وہ باہر آ گئی۔ رات کے کھانے کے بعد سب بڑے اور لڑکے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ اس کا

Watermarkly
Scanned with CamScanner

URDU NOVELS
MAG

ذہن اسی نکتے پر اٹک گیا تھا جس پر وہ سب متفق تھیں کہ اب ستارہ اور احسن کی شادی ہو جائے گی جب کہ اسے اس بات کے نہ ہونے کا یقین تھا۔

وہ جانتی تھی احسن یہ کبھی نہیں کرے گا لیکن اس نیک خیال کے ساتھ جو دوسری بات کا احتمال سر ابھار رہا تھا، وہ اسے دکھی کر رہا تھا۔ ستارہ کو رد کرنے کے لیے اب ضروری تھا کہ وہ فوراً دادا جان کے پیش کردہ ناموں میں سے کسی کو منتخب کرنے کا اعلان کر دیتا۔

ابھی گھر اور خاندان میں اس سے بڑی لڑکیاں موجود تھیں ایسے میں اس کا خیال کسی کو نہیں آتا تھا، تائی امی کو بھی نہیں، جن پر اس نے اپنا فیصلہ چھوڑا تھا۔

اپنے خیالوں میں کھوئی وہ چھت پر چلی آئی تھی۔ دیر ہو گئی تھی اس لیے اوپری منزل کے سب کمروں کی بتیاں گل تھیں۔ عموماً لڑکیوں میں سے رات میں چھت کی طرف کوئی نہیں جاتا تھا لیکن آج اسے تنہائی اور کھلی ہوا کی ضرورت تھی اور ذہن پر جو سوار تھا اس نے دوسری باتوں پر توجہ دینے کی صلاحیت چھین لی تھی۔

چھت کے اگلے حصے کی طرف جانے کے بجائے وہ دائیں طرف والی دیوار پر جا کر بیٹھ گئی جہاں گلی میں جل رہی بتیوں کی روشنی نہیں پہنچتی تھی۔ آسمان پر اوائل تاریخوں کا باریک سا چاند تھا مگر ستاروں کے بے شمار جھرمٹ، جا بجا بکھرے تھے جنھوں نے چھت کو مکمل تاریکی سے بچایا تھا۔

نیما کی شادی اور پھر اس کے زخمی ہاتھ نے انہیں معمول سے زیادہ ایک دوسرے کے مقابل کیا تھا۔ اس سے پہلے ان کا سامنا کچھ منٹوں کا ہوتا تھا اور بات چند لفظوں کی۔ اس میں بھی وہ چھپتے اور بچتے ہوئے ایک دوسرے کو پڑھ لیتے تھے مگر جو کچھ ان چند دنوں میں ہوا تھا اس نے اس خاموش تعلق میں ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کی ہمت کی تھی اور احسن نے وہ کیا تھا جو اس کا خاصا نہیں تھا۔

اس نے گود میں دھرے اسپلنٹ والے ہاتھ کو دیکھا اور غائب دماغ سے اسے کھولنے لگی۔

اس کی تکلیف پر اسپتال میں احسن کی بے چینی اور فکر اسے اچھی طرح یاد تھی۔ اسپلنٹ دیوار پر رکھ کے اس نے کلائی پر ہاتھ پھیرا۔ اس تکلیف وہ وقت میں احسن کا ساتھ ایسی دوا تھا کہ پھر اسے کلائی میں کوئی تکلیف محسوس ہی نہیں ہوئی تھی۔

اچانک اس پر اداسی اور افسردگی اتنی شدت سے حملہ آور ہوئی کہ وہ رونے لگی۔ وہ کیا کرے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور دل یوں چپ چاپ ہار مان لینے کو تیار نہیں تھا۔

مستقبل میں ایسا ہوگا، یہ یقین اور ایسا ہونے کا وقت سر پر آن کھڑا ہے، اس احساس میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ دل جو پہلی بات بڑی بردباری سے سوچتا تھا اس وقت مچل مچل کر کسی کے پیر پکڑنے کو تیار تھا۔

کچھ آہٹ ہوئی اور اس نے سر اٹھایا۔ چھت کے اگلے حصے میں کھڑا احسن اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ گڑبڑا کر دیوار سے اتر گئی۔ رقیہ کی آمد اور انتقال کے بعد سے وہ اسے اب نظر آیا تھا۔

اس کے سامنے آ کر اس نے جلتی سگریٹ نیچے پھینکی اور اس پر اپنے سلیپر رکھ دیے۔

''اسے نکالنا نہیں ہے۔'' اس نے دیوار سے اسپلنٹ اٹھایا اور اس کی کلائی کے گرد لپیٹنے لگا۔

''ہر وقت پہنے رہنا ہے اور اگر درد ہو تو رونا نہیں ہے، میڈیسن لینی ہے۔'' وہ سر جھکائے احتیاط اور نرمی سے کام کر رہا تھا۔

اس کے آنسو شدت سے تیز ہو گئے۔

''تو دیتے کیوں نہیں میڈیسن!''

اس نے باری باری سارے ویل کرو لگانے کے بعد اپنی ہتھیلی اسپلنٹ پر پھیلائی اور سر اٹھایا۔ وہ جو اسے ہی دیکھ رہی تھی دوسرے ہاتھ سے گال صاف کر کے نیچے دیکھنے لگی۔ وہ بنا ہاتھ پکڑے اس کا ہاتھ تھامے تھا۔

''یہ ہیئر لائن اتنا ہی بریک ہوا ہے لیکن اگر خیال نہیں رکھا تو بڑے گا نہیں۔''

''میں خیال رکھ تو رہی ہوں۔''

''ہم......'' اس کا ہاتھ اسپلنٹ پر پھیلتے ہوئے ٹھہر گیا اور پھر ہٹ گیا۔

''ٹھیک ہو جائے گا جلد۔'' اس نے تسلی دی، وہ چپ کھڑی رہی۔

''جاؤ، سو جاؤ۔ رات کافی ہو گئی ہے۔'' احسن نے کہا۔ وہ بہت کچھ اس سے کہنا چاہتی تھی مگر چپ چاپ زینے کی طرف بڑھ گئی۔

''سگریٹ بھی پیتے ہیں۔'' اس نے پہلی بار اس کے ہاتھ میں سگریٹ دیکھا تھا۔

''یار تو آنٹی کے بعد شروع کی ہے، ان حالات میں وہ بھلا کسی سے بھی شادی کے بارے میں کیسے سوچ سکتے ہیں۔'' وہ خواہش کے باوجود پیچھے مڑ کر دیکھ نہیں سکی۔

دل چاہ تھا کہ جاؤ اور صاف صاف بات کر لو لیکن وہ ہمت کہاں سے لاتی اتنی کہ دل کے کہے پر عمل کر پاتی۔

اس کے جانے کے بعد اس نے دوسری سگریٹ نکال کر جلائی اور پیچھے دیوار پر بیٹھ گیا۔

وہ ایسا بے خبر اور انجان نہ تھا کہ کلائی کے درد کو اس کے رونے کی وجہ مان لیتا، مگر وہ اس کے آنسوؤں کی وجہ ختم کرنے پر بھی قادر نہیں تھا۔ ایک عجیب سی بے بسی تھی جو اسے جکڑ لیتی جس کے بعد وہ کوشش بھی کرتا تو اپنی کھینچی لکیر کے آگے بڑھ نہیں پاتا تھا اور اب تو......

☆☆☆

تصدق حسین جس وقت ہال میں آئے وہاں دادا جان، دادی جان اور ان کے دونوں بھائی موجود تھے۔

''اچھا ہوا، آپ سب موجود ہیں۔'' وہ سب کو اپنا فیصلہ سنانے ہی آئے تھے۔

''ابا! ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ احسن اور ستارہ کی شادی کر دی جائے۔''

بات ہی ایسی تھی کہ فوراً کوئی کچھ نہیں بول سکا۔

''یہ ایسی بات نہیں ہے جس کا فیصلہ تم اکیلے کرو۔''

دادی جان سب سے پہلے بولنے کے قابل ہوئیں۔

''احسن کی کہیں بات طے نہیں ہے اور اس کی یہ عمر شادی کے لیے بالکل درست ہے۔''

''تو تمہیں خیال آ گیا بیٹے کی عمر اور شادی کا۔'' دادا جان کا لہجہ طنزیہ تھا۔ انہیں اس وقت بھی کس کا خیال تھا، یہ وہاں موجود سارے نفوس جانتے تھے۔

''بھائی جان! ابھی موقع نہیں ہے ان سب باتوں کا، ہم اس پر بعد میں تسلی سے گفتگو کریں گے۔'' تجمل حسین نے کہا۔

''ابھی موقع کیوں نہیں ہے......'' تب ہی ہال کے سامنے سے گزرتا احسن انہیں نظر آیا۔

''احسن!'' انہوں نے اسے پکارا۔ وہاں موجود کوئی بھی بندہ اس وقت یہ ذکر چھیڑنا اور سننا نہیں چاہتا تھا مگر تصدق حسین کو اور کسی کی پروا ہی کب تھی۔ سب کچھ اس تیزی سے ہوا تھا کہ انہیں اسے سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے وقت چاہیے تھا اور احسن کو تو اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔

وہ اندر آ کر خاموش کھڑا ہو گیا۔

''ہم تمہاری اور ستارہ کی شادی کی بات کر رہے تھے......'' احسن کے اندر ابال اٹھنے لگے، اس قدر بھی اس کا خون نہیں کھولا تھا جیسا اس وقت کھولا تھا۔

''ہم......؟'' اس نے دادا جان اور دونوں چچاؤں کو دیکھا۔

''یہ ہمارا نہیں صرف اس کا خیال ہے۔'' دادا جان نے برہمی سے کہا۔

''خیال کسی کا بھی ہو، اس میں برائی کوئی نہیں ہے۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' اس نے جتا کر، چبا کر کہا تھا۔

''کیوں بیٹا......؟'' وہ بے قراری سے اس کے

Watermarkly
Scanned with CamScanner

URDU NOVELS MAG

قریب آنے لگے تھے کہ وہ بے اختیار پیچھے ہوا، وہ بھی ٹھٹک کر رک گئے۔ کسی سن گن لینے والے نے گھر بھر میں خبر پھیلا دی تھی اور ایک ایک کر کے سب ہال میں جمع ہونے لگے تھے۔

"آئندہ ایسی فضول بات مجھ سے مت کیجیے گا۔" وہ پلٹ کر جانے لگا۔

"احسن.....! احسن.....!" وہ اس کے سامنے راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ عفت گھبرائی سی اندر آ گئیں۔

"تم کیوں انکار کر رہے ہو؟ وہ....."

"میں نے کہا نا، مجھ سے یہ بات نہ کریں۔" اس بار اس کا لہجہ بدتمیز سا تھا۔

"لیکن کیوں؟ اس میں غلط کیا ہے؟ کسی سے تو تمہیں شادی کرنا ہے، ستارہ سے کیوں نہیں؟" عفت کو کبھی اپنا شوہر اتنا سفاک نہیں لگا جتنا اس وقت محسوس ہوا تھا، بے حس اور سفاک!

"مجھ سے کیوں اس کا جواب نہ پوچھیں، آپ سے برداشت نہیں ہوگا۔"

"میں نے اس سے پہلے تمہاری کسی بات پر اعتراض کیا نہ کسی معاملے میں اپنی مرضی تھوپی ہے، آج پہلی بار تم سے کچھ مانگا ہے بیٹا....."

"ہاہاہا....." وہ سر اونچا کر کے ہنسنے لگا۔

"آج آپ کو یاد آیا آپ کی اولاد ہے۔ اولاد کی بات پر اعتراض نہ کرنا اور اپنی مرضی نہ تھوپنا آپ کے نزدیک، اچھے باپ ہونے کی سند ہے تو آپ سراسر غلط ہیں۔" اس کا ضبط ٹوٹ گیا تھا۔

بچوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا کوئی کمال نہیں بلکہ لاپروائی اور اپنی ذمہ داریوں سے چشم پوشی ہے۔ جس بات کو اپنی خوبی بتا کر آپ مجھ سے اس کام کی توقع کر رہے ہیں، میرے نزدیک وہ آپ کی سب سے بڑی خامی اور غلطی ہے۔"

"احسن! مجھے تمہاری ساری باتیں قبول ہیں، میں اپنی ساری کوتاہیاں اور غلطیاں مانتا ہوں، بس تم اس سے انکار نہ کرو اس یتیم بچی کا....." ایک پل میں وہ سب مان گئے اور احسن کو لگا وہ کچھ کر بیٹھے گا۔

"ابا!" اس نے بہت ضبط کیا تھا پھر بھی غم چھپا نہیں سکا۔ وہ بری طرح جھنجھلایا ہوا تھا۔

"آپ کو اب بھی ہماری فکر نہیں ہے، میں مان جاؤں اس لیے آپ نے کہہ دیا اور یہ صرف افسوس اور دکھ کی بات نہیں، بلکہ غیرت اور شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ آپ کو اب بھی ان کی بیٹی کی فکر ہے۔

محبت دوسروں کا احساس کرنا اور دنیا کی ساری محبتوں کی قدر سکھاتی ہے، جو محبت دوسری ساری محبتوں سے منہ موڑنا سکھائے، اپنے علاوہ باقی رشتوں کے لیے بے حس کر دے، آپ اسے کتنا بھی شاعرانہ اور ماورائی نام دیں، یہ صرف خود غرضی ہے۔ محبت میں ثابت قدمی ہی ثابت کرنا تھی تو بن باس لے لیتے، دل میں جگہ نہ تھی تو زندگی میں بھی وہ جگہ خالی رکھنے کا حوصلہ کرتے لیکن جب مجبور ہو کر شادی کر لی، بچے پیدا کیے، گھر بسایا تو پھر فرائض اور حقوق کی ادائیگی کے لیے مجبور کیوں نہیں ہوئے؟

آپ نے جہاں دل کیا، جہاں سہولت تھی وہاں مجبور ہو گئے اور باقی کمزوریوں، کوتاہیوں اور غیر ذمہ داریوں کو چھپانے کے لیے ان پر ناکام، لاحاصل عشق اور بڑوں کی زیادتیوں کا پردہ ڈال دیا۔ بیوی بچوں اور گھر کی ساری آسودگیاں حاصل کر کے بھی محرومیوں کا ماتم جاری رکھا، عشق کا علم اونچا رکھا۔ تو ساری عمر وہی رہتے، شوہر اور باپ نہ بنتے، مردانگی یہ ہے کہ زخمی دل اور روح کے ساتھ بھی جو ذمہ داریاں لی ہیں انہیں ہر حال نبھایا جائے مگر آپ نے......"

"بس کرو احسن......" عفت نے قریب آ کر اس کا ہاتھ تھاما۔ اس کی اونچی لرزتی آواز اور غصہ آخری حد تک پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے باپ بیٹے کا لحاظ بچانے کی کوشش کی۔

"امی! مجھے نہ روکیں آج۔ میں سوال کا حق رکھتا ہوں، یہ مجھے دنیا میں لائے تھے تو مجھے محبت، توجہ، وقت اور جذباتی آسودگی دینے کے بھی پابند تھے، رشتہ ان کا ہم سے تھا، حق ہمارا تھا۔

آپ نے سوال کیا نہ شکایت جو آپ دادا جان اور ابا دونوں سے کرنے کا حق رکھتی ہیں۔ اس زبردستی کے رشتے میں باندھا آپ کو دادا جان نے، کسی کی بیٹی کو بہو بنا کر لائے تھے تو بیٹے کو اس کی من مانی کے لیے کیوں چھوڑا، ان کی ذمہ داری کیا بس شادی کر دینے تک تھی؟

وہاں شادی نہ کرنے اور آپ سے شادی کروانے والے دونوں غلط فیصلے ان کے تھے تو اس کے نتائج کی ذمہ داری قبول کر کے انہیں سلجھانے اور سنوارنے کا کام کیوں نہیں کیا..... بہت تلخ مگر کھرے سوال آپ کو ان دونوں سے سوال کرنا چاہیے، اگر آپ نہیں چاہتیں تو ٹھیک ہے لیکن میں کرنا چاہتا ہوں، مجھے کرنے دیں۔"

وہ ماں کا ہاتھ ہٹا کر پھر تصدق حسین کی سمت دیکھنے لگا جن کے لیے آج زمین پر محشر کھلا تھا۔ دادا جان اور دادی جان دونوں کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

"دراصل قربانی، برداشت اور وفا کی کہانی تو امی کی ہونی چاہیے، آپ کی نہیں آپ کو لگتا ہے حشر میں سوال محبت کے وعدوں کا ہوگا تو کیا ذمہ داریوں اور فرائض کا نہیں ہوگا؟ امی اور آپ دونوں کے معاملے میں اگر امی آپ سے باز پرس نہیں کرنا چاہتیں تو ان کے متعلق میں بھی نہیں کروں گا لیکن میں آپ سے اپنی اور نعما کی بات ضرور کروں گا۔

آپ نے نعما کے رشتے پر بھی، ہاں اسی زعم میں کی تھی، خاندان اور دادا جان کو کچھ جتانے دکھانے کے لیے کہ آپ اولاد کی خوشی، اس کی پسند اور محبت کے خلاف نہیں جب کہ باپ کی حیثیت سے آپ کو پہلے اس لڑکے کے بارے میں پتا کرنا چاہیے تھا۔ وہ لڑکا نعما کا خواہش مند تھا اتنا کافی نہیں تھا، اس کا خاندان، وہ گھر نعما کے لیے مناسب ہے یا نہیں پہلے آپ کو یہ یقین کرنا چاہیے تھا، آپ نے تو نعماء سے بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ واقعی اسے پسند کرتی ہے یا کوئی اور وجہ ہے۔ شادی اور بہتر مستقبل کے لیے بہت سی باتیں دیکھی جاتی ہیں، لڑکے کی عادتیں، دوستیاں، جیسیں فنانشل اسٹیبلیٹی، گھر والوں کا بیک گراؤنڈ، معاشرے میں ان کی شہرت وغیرہ اور یہاں بھی آپ ناکام رہے کہ آپ نے کسی ایک بات پر بھی توجہ نہیں دی، کیا آپ کا یہ رویہ ذمہ دار باپ والا تھا......"

"میں تمہارا ہر الزام قبول کرتا ہوں، اپنی کمیاں کوتاہیاں سب مان رہا ہوں بیٹا، سب کی تلافی کی کوشش کروں گا بس تم میری ایک التجا مان لو، اس نے کہا تھا۔ اس کی روح کو سکون اسی وقت ملے گا جب......"

اس کا غصہ اور بڑھ گیا، وہ سب کچھ مان رہے تھے تاکہ وہ ان کی بات مان لے۔ اب بھی ان کے لیے اپنی اولاد نہیں اس کی اولاد اہم تھی۔

"آپ دونوں محبت عشق کا دعویٰ کرنے والے، زبردستی دوسروں کے ساتھ زندگی گھسیٹنے والے کیسے دو افراد کو زبردستی شادی پر مجبور کر سکتے ہیں جو دادا جان نے آپ کے ساتھ کیا، وہی آپ میرے ساتھ کرنا چاہتے ہیں اور اس لڑکی کی حفاظت کیا بیوی بن کر ہی ہو سکتی ہے؟ میں اسے نعما کی طرح بہن سمجھ کر کسی جگہ شادی کروا دوں تو......؟ یہ حل کیوں نہیں ہو سکتا؟ یہ ٹھیک کیوں نہیں؟ کیا یہ ان خاتون کی جاتے جاتے بھی دادا جان سے اور اس خاندان سے بدلہ لینے کی کوشش نہیں ہے؟ وہ آپ سے یہ بھی تو کہہ سکتی تھیں کہ کسی اچھی جگہ اس کی شادی کروا دیں، جاب لگوا دیں مالی مدد ہیلپ کا وعدہ...... شادی ہی کیوں؟ اور وہ بھی مجھ سے......؟ آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن آپ اور دادا جان بلکہ سب کے نزدیک محبت، شادی اور اولاد ایک سے معنی رکھتے ہیں...... اتنے برس بعد آپ اس وقت میرے لیے وہ ہی ہیں جو اس وقت دادا جان آپ کے لیے تھے۔"

اس نے سر جھکائے صوفے پر بیٹھے دادا جان کو دیکھا۔

Watermarkly

CS Scanned with CamScanner

URDU NOVELS
MAG

"فیصلے بھی میراث ہوتے ہیں اور آج میں آپ دونوں کے غلط، دوسروں کی زندگی برباد کرنے والے، کمزور و زبردستی مسلط کیے گئے، فیصلوں کی میراث سے انکار کرتا ہوں۔ میں اس لڑکی سے شادی کر کے اسے کچھ نہیں دے سکتا، نہ آپ کا اور اس کی ماں کا تعلق بھول سکتا ہوں اور نہ اس وجہ سے امی، نعما اور میرے حصے میں آئی محرومیاں، زخم اور درد بھول سکتا ہوں۔ جو آپ نے امی کے ساتھ کیا، وہ میں دشمن کے ساتھ بھی نہیں کرنا چاہتا۔" وہ عفت کے قریب آیا۔

"اس داستان میں کوئی قابل ستائش کردار ہے تو وہ امی ہیں، جن کے حصے میں محرومیاں، قربانیاں اور تنہائیاں محبت کے بنا ہی آئیں پھر بھی انہوں نے فرار کا راستہ نہیں چنا، فرائض اور ذمہ داریوں سے منہ نہیں موڑا، ان کے پاس بھی دس بہانے اور توجیہات تھیں جنہیں بنیاد بنا کر وہ بھی بہت کچھ کر سکتی تھیں ہر دن لڑائی جھگڑوں سے لے کر بچوں سے لاپروائی تک یا پھر وہ بھی ایک کمرہ پکڑ کر دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیتیں کہ شوہر، کسی دوسری عورت کی محبت میں مبتلا ہے۔ یہ دکھ بھی لاحاصل محبت جتنا ہی، عظیم ہے، ہے نا فوزیہ آنٹی......" اس نے فوزیہ آنٹی کو دیکھا۔

"آپ اور آپ جیسے دوسروں نے اس داستان کو رومینٹسائز کیا ہے جو بزدلی، خود غرضی، اور غیر ذمہ داریوں اور کوتاہیوں سے بھری تھی۔ آپ نے کبھی نہیں سوچا تصدق حسین اور عفت کے بچے بھی یہ سب سنتے ہیں اور ان کے لیے یہ کہانی اذیت کا سبب ہے۔ جو شخص دنیا کے سامنے شادی کر کے گھر بساتا ہے، اسے پرانی محبت کے سوگ میں دنیا سے کنارہ کشی کا حق نہیں ہوتا ہے، نہ خود سے اور بیوی بچوں سے لاپروائی کی اجازت، آپ نے اس قابل مذمت، رویے کو قابل ستائش بنایا تھا۔ انہیں خاندان کے لیلیٰ مجنوں، ہیر رانجھا بنانے میں آپ نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اپنا یہ ذاتی فعل اور اس کے اثرات اپنی [illegible] رکھنے والوں کو ہی اہل

آگ میں کودنا چاہیے اور اگر یہ حوصلہ نہ ہو تو کسی کو اپنی ذات سے منسلک کرنے کی غلطی بھی نہیں کرنی چاہیے۔"

وہ نادم سی فوزیہ آنٹی پر، چبھتی نظر ڈال کر دروازے تک آیا پھر پلٹا اور کافی ٹیبل پر رکھے ٹشو باکس سے کئی ٹشوز کھینچ کر باہر نکل گیا۔

تصدق حسین نڈھال سے کرسی پر ڈھے گئے۔ ان کے علاوہ سب اپنی جگہ ساکت تھے۔

اسے باہر آتا دیکھ وہ سب تیزی سے راہداری سے غائب ہو گئی تھیں۔ وہ جو بمشکل خود کو گھسیٹ کر اس کے باہر آنے سے پہلے دروازے کی اوٹ میں ہوئی تھی یہ سوچ کر کہ وہ ہمیشہ کی طرح بنا دیکھے اور رکے زینہ چڑھ جائے گا، اس کے رکنے پر ساکت ہو گئی۔ ایسی شدید حیرت تھی کہ آنسو بھی دم سادھے تھے۔ آج اس کی نگاہوں میں تامل تھا کسی پرانے منظر کا سایہ تھا۔ اس کا بھیگا چہرہ دیکھتے ہوئے احسن نے ہاتھ سامنے کیا جس میں ٹشو تھے۔ کسی سحر کے زیر اثر اس نے ہاتھ بڑھا کر، مقدس تبرک کی طرح سارے ٹشو تھام لیے۔ احسن نے فوراً اپنا ہاتھ نہیں ہٹایا۔

"اتنا رویا مت کرو......" وہ دھیما لہجہ اب تک سنبھالا راز عیاں ہونے کے خوف سے آزاد تھا۔ اس نے آہستہ سے ٹشو چھوڑ دیے جو وہ تھامے تھی۔ دو پل مزید اس نے حیرت سے بت بنی تنو کو دیکھا اور پھر زینہ چڑھ گیا۔ وہ اس کے جاتے ہی جیسے ہوش میں آئی۔ چہرہ صاف کرنے کے بجائے، اس نے دوسرے ہاتھ سے بھی ٹشو تھامے اور دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے۔

اس نے وہ ان دیکھی بیڑیاں اتار پھینکی تھیں جو اسے روکے تھیں۔ وہ اب جان پایا تھا، باپ کی کہانی نہیں باپ کے لیے، دل میں جمع شکایتیں اور غصہ تھا جو اسے اپنے جذبات قبول کر لینے کے باوجود اظہار کرنے سے روکے تھا۔ مگر اب سب کچھ باہر انڈیل دینے کے بعد وہ جان پایا تھا اسے مسئلہ محبت، سے تھا ہی نہیں۔

کمرے میں پہنچ کر وہ پلنگ پر بیٹھ گیا۔ پہلی بار وہ بے حد پرسکون تھا۔ ہر وقت ساتھ رہنے والا بے کل سا احساس اب مفقود تھا۔ دو منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ عفت دستک دے کر اندر آ گئیں۔

"امی!" وہ ان کا چہرہ دیکھ کر گھبرا کر کھڑا ہوا۔ عفت کا ضبط ختم ہو گیا تھا۔ وہ بیٹے کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ اللہ نے انہیں محرومیوں کے بدلے جو انعام دیا تھا، اس سے زیادہ قیمتی اس دنیا میں کچھ نہ تھا۔

اکتیس برس پہلے وہ والدین کی پسند پر سر جھکانے والی بے بس عورت تھیں اور اکتیس برس تک وہی رہی تھیں لیکن آج ان کے بیٹے نے اس کہانی میں اپنی ماں کو عظیم بنایا تھا۔ اس سے پہلے وہ کسی کو نظر بھی نہیں آئی تھیں مگر اس نے انہیں معتبر کر دیا تھا۔

☆☆☆

ہال میں ہوئی باتیں سب تک پہنچ گئی تھیں۔ وہاں سب کی آوازیں بہت بلند تھیں اور باقی سارا گھر دم سادھے تھا۔ اس لیے سب نے سب سن لیا تھا، ستارہ نے بھی لیکن اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ شکر تھا کہ نعما یہ سب سننے اور دیکھنے کو موجود نہیں تھی۔

"میری آج سمجھ میں آیا سارے جینئس پیار کرنے والے مطلب لیلیٰ مجنوں ٹائپس اس لیے مشہور ہیں کہ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔" فریحہ کی بات پر ضوبیا نے اسے زور سے گھونسا رسید کیا۔

"کچھ بھی اول فول نہ بکو۔"

"بس ایک اور سن لو جو کب سے مجھے پریشان کر رہا ہے۔" اس نے بازو سہلاتے ہوئے کہا۔ ضوبیا نے گھورا مگر روکا نہیں۔

"جو بھی احسن بھائی نے کہا ہے، اس کے بعد اگر وہ ستارہ سے شادی کر کے ساری ذمہ داریاں اور فرائض خوشی خوشی نبھائیں تو یہ کتنی اچھی اینڈنگ ہو گی اس کہانی کی، نو بدلہ، نو ڈرامہ۔"

"انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ شادی ہی واحد حل نہیں ہے۔" فضا نے یاد دلایا۔

"اگر تایا ابا نے یہی وعدہ کیا ہو گا تو......؟"

"کچھ بھی ہو، احسن بھائی شادی نہیں کریں گے۔" ضوبیا کو یقین تھا۔

احسن کی باتوں کے بعد سب اس کے اور عفت کے سامنے ایک نادم سی چپ اوڑھے تھے۔ اس کے بعد سے تنو کو احسن نظر نہیں آیا تھا۔ عفت کی چپ اسے بہت محسوس ہو رہی تھی۔ اب بھی وہ انہیں چائے دینے آئی تو وہ چونکیں۔

"چائے تائی امی۔"

"میں لے لیتی نا بیٹا، تم نے کیوں تکلیف کی۔" انہوں نے کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ روز شام کی چائے سب کے ساتھ باہر صحن میں پیتی تھیں، آج وقت کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا، بس مسکرا دی۔

"تمہارا ہاتھ کیسا ہے اب؟"

"ٹھیک ہے۔"

"کب تک رہے گا یہ؟" ان کا اشارہ اسپلنٹ کی طرف تھا۔

"چار ہفتے کہا تھا ڈاکٹر نے، ایکس رے کے بعد طے ہو گا۔ مزید رکھنا ہے یا نہیں۔"

"اچھا۔" انہوں نے بغور اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھا۔ اس گھر میں سب سے زیادہ دوستی نعما سے تھی۔ اس کے بعد وہ اداس ہو گئی تھی۔

"نعما سے بات ہوئی تمہاری؟" جانے وہ اسے بہلا رہی تھیں یا خود کو یا پھر وہ اس وقت سے خوف زدہ تھیں جب نعما کو ان سب کا علم ہو گا۔

"میری کئی دن سے بات نہیں ہوئی اس سے۔" وہ شرمندہ سی گویا ہوئی۔ اپنی الجھنوں میں وہ اسے بھی بھول بیٹھی تھی۔

"تائی امی!" اسی وقت ضوبیا دوڑی اندر آ گئی۔

"وہ ہال میں......" اس کی سمجھ میں نہیں آیا اس بات کو مناسب الفاظ میں کیسے کہے، پھر بھی عفت سمجھ گئیں۔ انہوں نے کپ اسے واپس تھمایا اور تیزی سے باہر نکل گئیں۔ وہ کانپتے ہاتھ میں کپ سنبھالتی

Scanned with CamScanner
Watermarkly

URDU NOVELS
MAG

وہیں بیٹھ گئی۔

ایک بار پھر ہال میں وہی گرما گرم بحث جاری تھی۔ تصدق حسین اپنے والد کو مرنے والی کی باتیں یاد دلا رہے تھے۔ انہوں نے اپنی غلطیاں تسلیم کر لی تھیں، وہ علی الاعلان اپنی ندامت کا اظہار کر چکے تھے۔ عفت اور احسن سے معافی مانگنے کا عندیہ دے چکے تھے، مگر ستارہ اور احسن کی شادی کی ضد اب بھی وہی تھی۔

"تم بھی سمجھاؤ اسے، مجھ سے ناراضی اور شکایت کا بدلہ اس بچی سے نہ لے......"

انہوں نے عفت کو دیکھتے ہی ان سے کہا تھا۔

انہیں اس آدمی سے کوئی توقع نہیں تھی جو ساری عمر اپنی الیہ کہانی کا آخری باب نہیں لکھ سکا تھا، جس نے اپنی کمزوریوں کو کسی تمغے کی طرح سینے پر سجایا تھا لیکن بیٹے کے دل کا حال، سننے کے بعد بھی اس فرمائش پر انہیں شدید غصہ آ گیا۔

"میں احسن کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا تصدق۔" ان کی تقریر کے بعد ایک بار پھر دادا جان نے وہی جملہ دہرایا جو وہ اس سے پہلے بھی کئی بار کہہ چکے تھے۔

"کیا! اس طرح پھر میں بھی مجبور ہو جاؤں گا۔" انہوں نے گردن سیدھی کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"کس بات کے لیے مجبور؟" سب ہی کے اندر کوئی خدشہ سرسرایا تھا مگر سوال دادی جان نے کیا۔

"احسن کے سامنے ایک ایسی شرط رکھنے پر مجبور جس کے بعد وہ انکار نہ کر سکے۔"

اب تک یہ باتیں اس طرح کھلے عام نہیں ہوتی تھیں بلکہ یہ قصہ پردوں میں، سرگوشیوں میں دہرایا جاتا تھا اور بڑوں نے تو کبھی اس موضوع کو چھیڑا ہی نہیں تھا۔ مگر اب یہ سب ایسے کھل کر بکھرا تھا کہ ساری جھجک اور احترام ختم ہو گیا تھا۔ وہ ساری عمر باپ کے سامنے خاموش رہے تھے، اس وقت بھی ان کے سامنے کھڑے ہو کر [illegible] ہوگی

تھی۔ جب رقیہ کی کہیں اور شادی ہو رہی تھی لیکن اب وہ ڈٹ گئے تھے۔

"میں آپ کا بیٹا ہوں لیکن میرے اندر آپ کی کوئی خوبی، خامی اور عادت نہیں ہے، کہاں چپ رہنا ہے کہاں اپنی بات منوانا ہے میں جانتا ہوں۔" اس نے اندر آتے ہوئے کہا۔ وہ دروازے پر ان کا جملہ سن چکا تھا۔

"آپ کیا مجھے عاق کرنے کی دھمکی دیں گے؟ تو سنیں کوئی جائداد نہیں بنائی ہے آپ نے اب تک دادا جان کے مکان میں رہ رہے ہیں اور دادی جان کی زندگی میں دادا جان ہی اپنی جائداد کے مالک ہیں۔ مجھے آپ سے کچھ چاہیے بھی نہیں مجھے گھر سے نکالیں گے۔ نکال دیں امی کو چھوڑ دیں گے۔ کل وہ خود مجھ سے کہہ چکیں، اگر میں چاہتا ہوں تو وہ یہ گھر اور سب کچھ جس میں آپ بھی شامل ہیں چھوڑ کر میرے ساتھ الگ ہو جائیں گی۔" تصدق حسین نے بے یقینی سے عفت کو دیکھا جو انہیں نہیں اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔

"دادی جان رونے لگی تھیں۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ باپ بیٹا ایک دوسرے کے سامنے تھے، اتنا کچھ تھا ان کے پوتے کے دل میں، وہ تو یہی سمجھتی رہی تھیں کہ انہوں نے اپنی گرہستی کامیابی سے سنبھالی ہے۔ وہ مشکل وقت گزر چکا ہے ان کے بچے سب خوش حال اور آسودہ ہیں لیکن یہ سب تو بھرم ثابت ہوا تھا، وہ وقت کہیں گیا ہی نہیں تھا، ان کے گھر میں بتیس سالوں سے ٹھہرا ہوا تھا۔ جب کہ دادا جان کو اب ماضی کی وہ بات بڑی معمولی لگ رہی تھی۔ کیا تھا جو وہ تصدق اور رقیہ کو الگ نہ کرتے، ان کی شادی کر دیتے۔ بچے ایک دوسرے کو پسند ہی تو کرتے تھے۔ مگر وقت گزر گیا تھا۔ مگر اب وہ درست فیصلہ کر [illegible] تھے۔

"تصدق! تم شادی کی ضد چھوڑ دو، اس بچی کی مکمل ذمہ داری ہم اٹھائیں گے مگر احسن کی شادی اس کی مرضی اور پسند سے ہوگی۔" دادا جان تھکے سے

تھے، ایک دم ان کے کندھے بہت جھکے محسوس ہو رہے تھے۔

"نہیں ابا!" تصدق حسین اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔ بتیس سال پہلے جو انا اور ضد باپ نے تھامی تھی، اس وقت وہی انا اور ضد ان کے اندر سمائی تھی۔

"احسن کی شادی ستارہ سے ہی ہوگی چاہے اس کے لیے......"

"مجھے یہ شادی نہیں کرنی۔" ستارہ کی آواز پر سب پلٹے۔ وہ دائیں طرف والے دروازے سے اندر آئی تھی جو عموماً کوئی استعمال نہیں کرتا تھا۔

"اماں کو اتنی مہلت نہ ملی ورنہ میں ہی انہیں اس فضول تجویز سے روک دیتی۔" وہ ان سب کے پاس آ کر رک گئی۔ سب کی آنکھیں اسی پر ٹکی تھیں۔

"اماں نے مجھ سے پہلے کیسی زندگی گزاری، مجھے نہیں پتا لیکن انہوں نے مجھے محبت سے پالا میری چھوٹی بڑی ہر خواہش کا خیال رکھا، حالاں کہ یہ کرنا ان کے لیے آسان نہیں تھا۔ ان کے ساتھ جو ہوا اس نے انہیں تلخ اور بددل کر دیا تھا، وہ آئیڈیل ماں نہیں تھیں لیکن وہ کم از کم ایک ذمہ دار ماں ضرور تھیں۔ وہ کم بات کرتی تھیں، اپنے آپ میں گم رہتی تھیں لیکن کبھی مجھ سے غافل نہیں ہوئیں مجھے لاوارث نہیں چھوڑا تھا انہوں نے......"

کسی کو سنائی دی یا نہیں لیکن تصدق حسین کو چابک کی آواز ہی نہیں تکلیف بھی محسوس ہوئی تھی۔

"وہ بہت خوددار تھیں یا بہت زیادہ زخمی اور دکھی یا انا پرست کہ غربت اور برے حالات میں بھی، اپنوں کو مدد کے لیے پکارا نہ ان کی طرف دیکھا، لیکن آخر میں میری فکر ہی تھی، جو وہ اس طرح آپ لوگوں کو بلیک میل کرنے آئی تھیں، وہ کسی سے بدلہ نہیں لینا چاہتی تھیں۔" اس نے ذرا گھوم کر احسن کو دیکھا۔

"یہ موت کو قریب دیکھنے والے بے بس انسان کا جھنجلا تھا۔ ایک تسلی پانے کی سعی، تاکہ ابدی دنیا میں وہ بے سکون نہ داخل ہوں، یہ ان کی آخری کوشش اور امید تھی اور انکل......" وہ تصدق حسین کی سمت مڑی۔

"انہیں آپ کی بات کا یقین آ گیا تھا کہ آپ میری حفاظت کریں گے، میرا خیال رکھیں گے۔ میری لیے اور ان کے سکون کے لیے اتنا کافی ہے۔ آپ کو اس سے زیادہ کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں، زور اور جبر سے تو بالکل نہیں، جو دنیا سے جا چکا اسے خوش کرنے کے لیے جیتے جاگتے انسانوں کو نظر انداز کیسے کیا جا سکتا ہے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

"میں اپنی زندگی کے فیصلوں کا اختیار دوسروں کو نہیں سونپنا چاہتی، مجھے کس سے شادی کرنی ہے۔ کس سے نہیں۔ یہ فیصلہ میرا ہوگا۔ مجھے دوسری رقیہ نہیں بننا، جس کی زندگی کے غلط فیصلے دوسرے کریں اور وہ آواز بھی نہ اٹھائے، مجبوری اور شرم و حیا کے نام پر سر جھکا کر، عمر بھر کا درد گلے لگا لے، قصور سے بڑھ کر سزا اور اعراف تک نہ کرے، دادا جی......" وہ دادا جان کے پاس آ گئی۔ تنو اور ضویا کی طرح اس نے انہیں دادا جی کہا۔

"آپ میرے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اتنا کریں کہ مجھے، اپنے ماموؤں سے اماں کا حصہ دلوا دیں جو نانا کی جائداد میں ان کا شرعی حق ہے اور مجھے آگے پڑھنا ہے۔ اس معاملے میں میری رہنمائی کریں۔"

"اس معاملے میں آپ کو جو بھی مدد چاہیے، میں حاضر ہوں۔" دادا جان کے بجائے احسن نے جواب دیا۔

ان دونوں نے ماضی کے غلط فیصلوں کی میراث آگے بڑھانے سے انکار کرتے ہوئے، اپنے حق کے لیے آواز اٹھانے اور صحیح وقت پر درست فیصلوں کو اپنی میراث بنایا تھا۔

"شکریہ۔" اس کے لہجے میں ستائش سی تھی۔ وہ تصدق حسین کی طرف مڑی۔

"یہ آپ کا امتحان نہیں تھا اس وقت اماں کے پیش نظر صرف میرا تحفظ اور مستقبل تھا، اس کا یقین حاصل کرنے کے لیے انہوں نے وہ سب کہا ہوگا، آپ اسے اپنی آزمائش نہ سمجھیں، مجھے اپنی ماں کا غلط فیصلہ منظور نہیں ہے۔" تصدق حسین کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

Watermarkly
Scanned with CamScanner

URDU NOVELS
MAG

"تم نے دانش مندانہ فیصلہ کیا ہے۔" دادا جان نے کہا۔ ان کی آواز میں شگفتگی تھی۔

"جب تک یہ سارے معاملات طے نہیں ہوتے، تم یہیں رہو گی۔ اس کے بعد تم جیسا کہو، ویسا انتظام کر دیا جائے گا۔"

"بہت شکریہ دادا جی۔" اس نے ماں کے ایک مجرم کے لیے اپنا دل صاف کر لیا تھا۔

"جاؤ، آرام کرو۔" دادی جان نے کہا۔ وہ خاموشی سے راہداری والے دروازے سے باہر نکل گئی۔ ہال میں ایک بار پھر سناٹا تھا۔ کئی پل گزر گئے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ تصدق حسین جانے لگے تھے کہ عفت کی آواز ابھری۔

"مجھے کچھ کہنا ہے۔" وہ رک کر انہیں دیکھنے لگے مگر عفت دادا جان سے مخاطب تھیں۔ انہوں نے سر کی جنبش سے کہا۔ "کہو۔"

"احسن نے مجھ پر چھوڑا تھا اور مجھے احسن کے لیے تنو پسند ہے۔" ان کی بات پر احسن سمیت سب حیران ہوئے تھے۔

"وہ تو چھوٹی ہے، اس سے پہلے۔" وہ پرسوچ سے رک گئے پھر احسن کو دیکھا۔

"تم کیا کہتے ہو؟"

"میری بھی یہی مرضی ہے۔" اس نے سوچ کر لفظ چنے تھے۔

جی ٹھیک ہے، جو امی کی مرضی، جیسا امی چاہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں، جیسا آپ مناسب سمجھیں، وغیرہ وغیرہ کئی جواب تھے لیکن اسے اپنا جواب دینا تھا۔ وہ اس بات پر شرمندہ نہیں تھا، وہ باپ کی کہانی کی وجہ سے اپنی کہانی لکھنے اور عام کرنے پر نادم نہیں ہونا چاہتا تھا۔

محبت میں سب کا حوصلہ اور ظرف ایک سا نہیں ہوتا۔ اسے برتنے کا انداز اس [illegible] طے کرتا ہے۔

وہ اب جان پایا تھا کہ باپ کے رویے نے اسے محبت سے متنفر نہیں کیا تھا بلکہ وہ باپ کے ظرف سے شرمندہ تھا جس کی محبت کو دادا اور [illegible] کی ایک شخص کے آگے ان کی نظر اندھی تھی۔ لیکن یہاں احسن غلط تھا۔ یہ صرف محبت کھونے کا دکھ نہیں تھا، یہ رقیہ کی برباد زندگی کا غم تھا۔ جس طرح رقیہ کو تنہا کر دیا گیا۔ اس نے ہر رشتے سے ہر محبت سے محروم کر دیا گیا۔ اس نے ناکردہ جرم کی پاداش میں عمر قید کاٹی، اس کا ذمہ دار وہ خود کو سمجھتے تھے۔ اس پچھتاوے نے انہیں کبھی پورے دل سے خوش نہ ہونے دیا۔ اگر رقیہ کے ساتھ ایسا ظلم نہ ہوتا، وہ خوش ہوتی تو شاید وہ بھی ایسی زندگی نہ گزارتے۔

احسن نے اس جذبے سے بچنا ضروری چاہا تھا مگر ہار گیا تھا۔ وہ اگر اپنی محبت کا اظہار اور اعتراف نہ کرتا تو وہ بھی باپ کی طرح بزدل اور بہانے باز ہی کہلاتا۔

عفت نے اس کے لیے تنو کو چنا تھا اور یہ فیصلہ یونہی نہیں تھا۔ ان کی زندگی کا مرکز محور سب ان کے بچے تھے تو پھر ان سے یہ مخفی کیسے رہتا۔ وہ محبت گزیدہ تھیں پھر بھی انہوں نے بیٹے کے لیے اس کا انتخاب کیا تھا تو وہ کیوں اپنی محبت چھپاتا۔

☆☆☆

ضویا نے آ کر تنو سے کہا تو وہ ہونق سی اس کی صورت دیکھتی رہی۔

"اسے بھی شاک لگا ہے یہ سن کر۔" اس نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"احسن بھائی کی شادی تم سے ہو رہی ہے تائی امی اور انہیں دونوں کو تم پسند ہو۔" اس نے ذرا اونچی آواز میں کہتے ہوئے شانوں سے پکڑ کر اسے ہلایا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ رونے لگی۔

"اے لو!" وہ فکرمندی پیچھے ہٹی۔

"اب تم انکار کر کے نیا ڈرامہ نہ شروع کر دینا۔"

"کیا، کیا ہو گیا ہے یہاں، کوئی بتائے گا مجھے؟" بیگ لیے دروازے میں کھڑی نعما حد درجہ سنجیدہ تھی۔ وہ صبح ہی ہنی مون سے لوٹی تھی اور فون پر ماریہ نے سب سنا کر اسے الجھا کے رکھ دیا تھا۔ وہ پہلی

فرصت میں ادھر بھاگی آئی تھی۔

"تنو تمہاری بھابھی بننے والی ہے۔" اس کے پیچھے آتی فضا نے کہا۔

"تائی امی اور احسن بھائی نے اعلان پر دستخط کر دیے ہیں۔"

وہ بیگ دروازے میں ہی چھوڑ کر اس کے پاس دوڑی۔

"تو پاگل تم رو کس لیے رہی ہو۔" اس نے ہنستے ہوئے تنو کو گلے لگایا۔

باقی کیا کچھ ہو چکا تھا اسے اب پروا نہیں تھی۔ بھائی نے خود کو آزاد کر لیا تھا اس کے لیے یہی اہم تھا۔

☆☆☆

ستارہ کے ماموں اسے کچھ بھی دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ جب احسن نے انہیں قانونی کارروائی کی دھمکی دی، تب جا کر وہ بڑی مشکلوں سے راضی ہوئے تھے۔

اس نے یونی ورسٹی میں داخلہ لیا تھا اور وہیں ہاسٹل میں رہنے لگی تھی۔ سب سے پہلے فوزیہ آنٹی نے اس سے ملنا ملانا شروع کیا تھا، پھر ان کے ساتھ وہ سب بھی جانے آنے جانے لگی تھیں۔ سب کے ساتھ اس کی ٹھیک ٹھاک دوستی تھی مع تنو کے لیکن نعما اب تک بھی اس سے بات نہیں کرتی تھی۔ جب بھی تنو اس سے اس موضوع پر بات کرتی وہ کہتی۔ "مجھے کچھ اور وقت چاہیے۔" البتہ احسن کے تعلقات اس کے ساتھ عام سے اور اچھے تھے۔

تصدق حسین کا وہی معمول تھا۔ اب وہ بدلنا بھی چاہتے، بچوں اور بیوی کے قریب آنے کی کوشش بھی کرتے تو فاصلے اور سرد مہری بہت زیادہ تھی۔ سب کو ان کی غیر موجودگی کی عادت ہو گئی تھی، ایسے میں اپنے وجود کا احساس دلانا آسان نہیں تھا۔

عفت کی زندگی کا وہ سنہرا دور کب کا گزر چکا تھا جب انہیں شوہر کی رفاقت اور محبت کی چاہت تھی۔ اب انہیں اپنے بچوں کے علاوہ کسی کی فکر تھی نہ ضرورت، انہیں اب ساتھ بھی صرف اولاد کا چاہیے تھا۔

☆☆☆

"وہ روز دس دس بار اوپر نیچے نہیں کر سکتی۔" نعما اور ضویا اسے کم اور اس کے لہنگے کو زیادہ تھامے اسے سیڑھیوں سے احسن کے کمرے میں لے جا رہی تھیں۔

"صبح ایک بار نیچے آؤ تو پھر رات سونے کے لیے ہی جایا کرنا، باقی کام کے لیے تجو باجی ہیں ناں۔" نعما نے پورے دانتوں کی نمائش کے ساتھ مشورہ پیش کیا۔

"تو تم ان ڈائریکٹلی یہ کہنا چاہتی ہو کہ تم اب اوپر ہی رہنا پسند کرو گی اور......" اس کے جواب سے پہلے ضویا، کڑے انداز میں پوچھنے لگی تھی کہ اس کے درمیان میں ہی روک دیا۔

"نہیں بہنو!" اس نے صلح جو انداز اپنایا۔

"نعما سسرال چلی گئی ہے، میں بھی ادھر پیاری ہو گئی ہوں تو ہمارا کمرہ خالی ہو گیا ہے اگر ہم اس کمرے——"

"خبردار! وہ اب بھی میرا کمرہ ہے، میں میکے آؤں گی تو کہاں جاؤں گی پھر؟" نعما کے اندر اچانک تندوالی چمک عود آئی۔

"یہاں۔" وہ احسن کے کمرے کے سامنے پہنچ چکی تھیں۔ تنو نے آنکھوں سے دروازے کی سمت اشارہ کیا۔

"تمہیں ابھی چند گھنٹے ہوئے ہیں میری بھابھی بنے اور سازشیں شروع کر دیں تم نے۔" اسے صدمہ لاحق ہوا۔

تب ہی نیچے سیڑھیوں پر آہٹ ہوئی، ان تینوں نے ایک ساتھ گردن موڑی۔ وہاں احسن کھڑا اوپر دیکھ رہا تھا۔

"اُف! امی کو ذرا صبر نہیں، بھائی سے زیادہ انہیں جلدی پڑی ہے۔" نعما بڑبڑاتی ہوئی اسے وہیں چھوڑ کر واپس زینے کے پاس آئی۔

"یہاں سے آپ ہی اندر لے جائیں اسے بھائی! اور ابھی سے سمجھا دیں، میں اپنا کمرہ کسی کو نہیں دوں گی، اسے ہی دس دس بار اوپر نیچے کرنا پڑے گا۔" اس نے پلٹ کر ضویا کا ہاتھ تھاما اور گھبرائی بوکھلائی تنو کو آنکھ مارتے ہوئے دھڑ دھڑ نیچے اتر گئی۔

Scanned with CamScanner

URDU NOVELS
MAG

ان دونوں کی دبی دبی ہنسی دور ہوتے ہوئے معدوم ہوئی تب وہ اوپر آیا۔ وہ عین دروازے کے سامنے کھڑی تھی، ایک طرف ہو گئی۔ احسن نے معطر اور گل پوش کمرے کا دروازہ کھولا۔

"آؤ۔" اسے ساتھ لے جانے کے بجائے وہ اس کے استقبال کے لیے پہلے اندر چلا گیا اور پھر اس کے سامنے ہتھیلی پھیلائی۔ وہ جزبز سی کچھ پل یونہی کھڑی رہی پھر دامن مٹھی میں قید پلو چھوڑ کر ہاتھ اٹھایا۔ وہ اس کی کھلی ہتھیلی پر اپنا ہاتھ رکھتی اس سے پہلے ہی، احسن نے پیش قدمی کرتے ہوئے بڑھ کر خود ہی تھام کر اسے اندر لیا۔

"تمہیں میرا یہ روم پسند نہیں؟" پہلا سوال اور بات ہی خلاف امید تھی۔

"نن...... نہیں تو۔" وہ جو پہلے ہی حد درجہ گھبرائی تھی، اس انوکھی بات پر اور بوکھلا گئی۔

"پھر کیوں نیچے جانا ہے تمہیں؟" وہ ٹھہرا تو اسے بھی رکنا پڑا۔

"وہ ایسے ہی...... میں تو نمرا کو تنگ کر رہی تھی۔" اس نے رکتے ہوئے دھیمے سے کہا۔

"اب بار بار آنا جانا ہو گا تو کیا تمہیں پھر گرنے اور فریکچر کا ڈر ہے؟" وہ اسے دیکھ نہیں رہی تھی مگر اس کی نگاہوں اور آواز کی ہلکی سی شوخی، چہرے کا تبسم سب اس تک پہنچ رہا تھا۔

"میری ہڈیاں اتنی کمزور نہیں ہیں۔"

"اس معاملے میں میرا دل بہت کمزور ہے۔"

"کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ اپنے فلمی ڈائیلاگز بھی بول سکتے ہیں۔" اس نے سر اٹھا کر کہا۔ ابتدائی گھبراہٹ ختم ہو گئی تھی۔ ہلکی سی جھجک تھی۔

"یہ ڈائیلاگ نہیں سچ ہے، جتنے اس فریکچر پر تم نے آنسو بہائے تھے......"

"وہ آنسو فریکچر کے لیے نہیں تھے، یہ آپ بھی جانتے ہیں۔"

"وہ سب میری وجہ سے تھے۔"

"نہیں...... ایسا تو نہیں کہا میں نے۔"

"وہ تم کبھی نہیں کہو گی۔" اس نے اس کا بایاں ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں لیا۔

"لیکن سچ یہ ہی ہے۔ میں نے تمہیں بہت رلایا ہے ویسے تم اب بدلے لے سکتی ہو۔"

"آپ اور روئیں...... ناممکن ہے۔"

"میں نے آنسو نہیں بہائے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رویا نہیں ہوں، میں تمہارے لیے بھی رویا ہوں تہنیت۔"

مرد کہاں اتنی آسانی سے یہ اعتراف کرتا ہے مگر جب اور جس سے کر دے، وہ لمحہ اس کی زندگی میں اس شخص کے تعین کا اعلان ہوتا ہے، عزیز از جاں، رگ جاں، متاع جاں یا اس سے بڑھ کر۔

"آپ باتیں ایسی کر رہے ہیں کہ میں پھر رونے لگوں گی۔" اس نے مسرت سے لبریز دل اور پانیوں سے بھری آنکھیں مشکل سے سنبھالیں۔

"سوری، میں نے یہ ریلائز کرنے میں بہت وقت گنوایا کہ تمہیں دور کر کے، میں تمہارے علاوہ کسی اور کو زندگی میں شامل نہیں کر سکتا۔" آج تنو کی خوشی ناپنے والا کوئی پیمانہ نہیں تھا۔

"آپ ایسا کرتے بھی تو مجھے کوئی شکایت نہ ہوتی۔"

"تم نے خود کو کچھ زیادہ ہی اوور اسٹیمیٹ کر لیا تھا۔" وہ دھیرے سے ہنسا۔

"جس رفتار سے گریہ زاری جاری تھی، سیلاب آ جانا تھا۔"

"چھوڑیں اب کیا بحث کرنا، آپ نے میرا حوصلہ دیکھنے کا موقع تو گنوا دیا ہے۔" اس نے ناک چڑھا کر کہا۔

"اور مجھے اپنی اس نا اہلی پر فخر ہے۔" دایاں ہاتھ اس کے ہاتھ سمیت سینے پر رکھ کر وہ ذرا سا جھکا۔ وہ ہنس پڑی۔

قرطاس زمانہ پر داستان محبت کا ایک نیا باب رقم ہو رہا تھا، ایک ایسا باب جس کے کردار باقی داستانوں سے ذرا سے مختلف تھے۔

☆☆

PKDAILYINFO.COM
www.parhlo.com.pk
Watermarkly
Scanned with CamScanner